ماہنامہ

دلیلِ راہ

لاہور

ستمبر 2023ء ۔ صفرالمظفر/ربیع الاوّل 1445ھ

اے بی سی تصدیق شدہ اشاعت CPL.No:406

ماہنامہ

دلیلِ راہ

لاہور

شمارہ 09 | ستمبر 2023ء | جلد 31

مدیرِ اعلیٰ

سید ریاض حسین شاہ

ہرچہ من در بزمِ شوق آوردہ ام

1	نعت شریف	ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری	2
2	گفتنی و ناگفتنی	سید ریاض حسین شاہ	3
3	تبصرہ و تذکرہ	سید ریاض حسین شاہ	8
4	درسِ حدیث	حافظ سخی احمد	11
5	جشنِ عید میلاد النبی ﷺ اور شعائرِ اسلام	پروفیسر محمد طاہر القادری	14
6	نعت شریف	پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی	16
7	حضور ﷺ کی بیدار مغزی	محمد بن علوی المالکی الحسینی	17
8	گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ	محمد امین شرقپوری	23
9	صوفیا کا مزاج اور منہج	علامہ محمد ارشد	26
10	امید اور یقین کی طاقت	آصف بلال آصف	29
11	پاسبانِ فکر اسلامی، اعلیٰ حضرت	غلام مصطفیٰ رضوی	31
12	بچوں کی کردار سازی میں والدین کی ذمہ داریاں	ماسٹر احسان الٰہی	33
13	گنبد خضریٰ کی تاریخ، تعمیر و توسیع	سعید احمد بدر	36
14	سنابلِ نور	سید ریاض حسین شاہ	38
15	یادیں اور باتیں	حافظ شیخ محمد قاسم	39

مشیرِ ادارت

ڈاکٹر رضا فاروقی

مجلسِ اعزاز

- علامہ حافظ نور محمد بندیالوی
- محمد نواز کھرل
- سید قیصر عباس شاہ
- انجینئر سرفراز احمد ضیغم
- حافظ محمد زبیر اعوان
- ارشد محمود ارشد
- احد شریف
- شیخ محمد راشد

ادارتی معاونین

- ابو محی الدین
- ڈاکٹر منظور حسین اختر
- طالب حسین مرزا
- خادم حسین مرزا
- حافظ محمد عفان منظور

قیمت فی شمارہ

30 روپے

سالانہ خریدار بمعہ ڈاک خرچ

450/= روپے

بیرون ملک سالانہ

150 ڈالر، 80 پونڈز

رابطہ دفتر: اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 0322-4301986, 042-35838038

ہیڈ آفس: ادارہ تعلیمات اسلامیہ سیکٹر نمبر 3، خیابان سرسید راولپنڈی فون: 051-4831112

E-mail: daleelerah@gmail.com Online Edition: www.daleelerah.com

پبلشر سید ریاض حسین شاہ نے گنج شکر پرنٹرز سے چھپوا کر ماڈل ٹاؤن لاہور سے شائع کیا

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حرفوں نے مرے بھیک جو پائی ترے در کی جبریل بھی آتے تھے جو سدرہ سے اتر کر
کرتے ہیں سدا مدح سرائی ترے در کی کیا ذوق تھا کیا دُھن تھی سمائی ترے در کی

یہ مدح و ثنا صوت و صدا شعر و ادب سب کیوں پھول یہ کلیاں ہیں بہاروں میں معطر
یہ اذن عطا خاص کمائی ترے در کی خوشبو ہے یا صبا خیر سے لائی ترے در کی

جچتے ہی نہیں قصرِ شہی اس کی نظر میں یہ طلعتِ کونین ترے رُخ کا تصدق
قدرت نے جسے راہ دکھائی ترے در کی یہ حسنِ جہاں جلوہ نمائی ترے در کی

چمکے گی مری خاکِ لحد اس کے اثر سے یہ طلعتِ کونین ترے رُخ کا تصدق
ہے خاک جو ماتھے پہ لگائی ترے در کی یہ حسنِ جہاں جلوہ نمائی ترے در کی

لاتا نہیں خاطر میں وہ شاہانِ زمن کو سیرت سے ہوا کلبۂ جاں اپنا منور
تھی جس کے مقدر میں گدائی ترے در کی جب یاد مہکتی ہوئی آئی ترے در کی

اترے کبھی آنکھوں میں ترا نور سراپا امت پہ تری آج ہے آلام کی یورش
تصویر ہے سینے میں سجائی ترے در کی فریاد ہے آقا ہے دہائی ترے در کی

یوں ہی تو فروزاں نہیں مہر و مہ و اختر اے کاش نصیر آج کریں میری سفارش
خیرات اجالوں نے ہے پائی ترے در کی پلکوں سے کیے جاؤں صفائی ترے در کی

بوصیری و جامی کے وسیے سے ظفرؔ بھی
رکھتا ہے تمنّائے گدائی ترے در کی

ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقامِ رسالت

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۙ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ﴿۴۶﴾ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا ﴿۴۷﴾

''اے نبی معظم! ہم نے آپ کو نگران و نگہبان اور خوشخبری دینے والا اور ہلاکت آفرین چیزوں سے آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا اور ایمان والوں کو خوشخبری دیجیے کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے فضل کبیر ہے''۔ (الاحزاب:45,46,47)

سامعین!

قرآن مجید کی یہ تین آیات ہیں تینوں کا تعلق احوال انسانی کی اصلاح کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شفقتوں اور محبتوں کا ذکر فرمایا ہے اور وہ عظیم ہستی جنہیں عالمگیر ہدایت کی نقاب کشائی سپرد فرمائی ان کے اوصاف اور کمالات بیان فرمائے ہیں۔ آیت محامد اور فضائل کے بیان میں قوس قزح کی طرح سجی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ آسمان سے جلووں کی بارش ہو رہی ہے۔ قرآن کا یہ محل محب اور محبوب کے درمیان تعلق اور محبت کو بھی واضح کر رہا ہے۔ سب سے پہلے آپ کی نبوت اور رسالت کا تذکرہ ہوا۔ نبوت کیا ہے اور رسالت کیا ہے؟ نبوت اللہ سے لینے کا نام ہے اور رسالت اللہ کی مخلوق میں بانٹنے کا نام ہے۔ نبی اور رسول وہ اصحاب مرتبہ اور منصب ہوتے ہیں جنہیں اللہ خود منتخب فرماتا ہے یقیناً یہ وہ رحمتیں ہوتی ہیں جنہیں اللہ جس کے ساتھ چاہتا ہے خاص فرما دیتا ہے۔ ہر نبی اپنی صداقت کے دلائل اور معجزات کے ساتھ مبعوث ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت عظمیٰ کا ذکر مبارک قرآن مجید میں یوں ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

''بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول تشریف فرما ہوئے ہیں''۔ (التوبہ:128)

سورۃ الصّف میں ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۹﴾

''وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ''ھدیٰ'' اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے تمام ادیان پر غلبہ بخش دے کیوں نہ اُسے مشرک بُرا جانتے ہوں''۔ (الصّف:9)

قرآن مجید نے جہاں میثاق انبیاء کا ذکر کیا وہاں ثم جائکم رسول مصدق کہا۔
حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت ہمہ گیر تھی۔

ارشاد باری ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

''اور اے حبیب! ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام انسانوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر''۔ (سبا:28)

انہی حقائق آفاقیہ کو قرآن مجید نے سورۂ یونس میں اس طرح بیان کیا:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ

''اے حبیب فرمایئے اے لوگو! بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا ہے''۔

آپ ﷺ سے پہلے جتنے انبیاء تشریف لائے کوئی کسی ملک کے لیے آیا اور کوئی کسی قبیلے اور خاص قوم کے لیے آیا لیکن رحمۃ للعالمین ﷺ تشریف لائے تو فرمایا اعلان کر دو!

اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

''میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں''۔

سب کے رسول کی سب نے تعریف کی:

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جب حضرت آدم کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ اپنے بیٹے شیث علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''میرے لخت جگر! تم میرے بعد میرے جانشین ہو پس خلافت کو تقویٰ اور یقین سے محکم رکھنا اور جب اللہ کا ذکر کرنا تو ساتھ متصل اسم محمد ﷺ کا ذکر کرنا، میں نے یہ نام ساق عرش پر لکھا پایا، مجھے جنت میں کوئی ایسی جگہ نظر نہ آئی جہاں یہ اسم مبارک منقش نہ کر دیا ہو۔ بیٹا فرشتے ہر دم انہی کے ذکر میں زبانیں تر رکھتے ہیں''۔

حضرت نوح

آپ نے جب سفینہ بنایا تو بحکم الٰہی جبرائیل کی مدد کے ساتھ ہر پھٹے پر ایک نبی کا نام لکھا لیکن دوسرے دن سب کچھ محو پایا۔ تین دن ایسے ہی ہوتا رہا۔ اللہ نے فرمایا: ''میرے پیارے اول میرا نام لکھو اور آخر میں میرے محبوب کا نام لکھو۔ سب ناموں کو ہمارے ناموں کے درمیان کر دو''۔ جب ایسے کر دیا گیا تو غیب سے آواز آئی:

یانوح قد تمت سفینتک (معارج النبوۃ)

حضرت داؤد علیہ السلام

حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا کی:

''اے اللہ! میں جب زبور کی تلاوت کرتا ہوں تو مجھے ایک نور نظر آتا ہے اس طرح میرا محراب عبادت خوشی سے جھومنے لگ جاتا ہے اور میرا قلب وجگر راحت سے بھر جاتا ہے۔ یا اللہ وہ نور کیا ہے''؟ فرمایا: ''یہ ہمارے حبیب کا نور ہے اسی نور کی وجہ سے ہم نے آدم حوا اور دنیا و آخرت سب تخلیق کیے۔ یہ سن کر حضرت داؤد علیہ السلام نے بلند آواز میں کہا ''یا محمد!'' آواز بلند ہوتے ہی چرند پرند آپ کے ساتھ ہم زبان ہو کر کہنے لگے: **صدقت یا داؤد**

زبور کی عبارت

وہ بحر سے بحر اور دریا سے دریا قطع کرے گا۔ جزیرے اس کے سواروں کے قدموں سے پائمال ہوں گے۔ اس کے دشمن خاک چاٹیں گے۔ بادشاہ اس کے حضور جھکیں گے۔ اُمتیں اس کی مطیع ہوں گی۔ وہ ضعیفوں کا نجات دہندہ ہوگا۔ مسکینوں پر مہربان ہوگا پوری روئے زمین پر اس پر درود پڑھا جائے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

خواب میں آپ کو جنت کی سیر کرائی گئی۔ آپ نے بہشت کو زمین آسمان سے کھلا پایا۔ آپ فرماتے ہیں: ''جنت کے درختوں کی جڑیں **لا الہ الا اللہ** سے ہیں، کونپلیں **محمد رسول اللہ** سے ہیں، پھل **سبحان اللہ اور الحمد للہ** تھا۔ آپ نے جبرائیل سے پوچھا جنت یہ بہت خوبصورت مقام کس کے لیے ہے آواز آئی: **عدت لمحمد** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''۔

حضرت سلیمان علیہ السلام

ایک بار آپ اصطخر سے یمن جاتے ہوئے مدینہ کی سرزمین سے گزرے آپ کا لشکر ہوا میں اڑ کر گزر رہا تھا۔ آپ نے اپنے دوستوں سے کہا:

ان هذه دار هجره نبی آخرالزمان

طوبٰی لمن آمن به و اتبعه

یوسف علیہ السلام

آپ کو کنویں سے نجات آپ کے نام نامی کے وسیلہ ہی سے ملی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و رسالت، فضیلت رسالت، حسن رسالت، وسعت رسالت، اثر رسالت اور فیضان رسالت کہ شب معراج سب نبیوں اور رسولوں نے آپ کی امامت میں نماز ادا کر کے ان کی عظمت و فضیلت کا اعتراف کیا اور آپ کی رسالت کے جلوے اگلوں پچھلوں نے مشاہدہ کیے۔

قرآن مجید کی جو آیت تلاوت کی اس میں بھی آپ کی نبوت اور رسالت کا مقام اور جلوہ اس طرح بیان ہوا کہ آپ کی دس صفتیں اور نعتیں رب کریم نے خود لسان قدس سے بیان فرمائیں:

آپ نبی ہیں

آپ رسول ہیں

آپ مقام شہادت پر فائز ہیں

آپ مبشرِ عظیم ہیں

آپ نذیر مبین ہیں

آپ داعی الی اللہ ہیں

آپ کا ہر جلوہ اذن الٰہی کا رنگ ہے

آپ سورج ہیں مبین چمکتا دمکتا

آپ کی روشنی جلاتی نہیں دلوں اور روحوں کو منور کرتی ہے

اور آپ اللہ کی طرف سے فضل کبیر ہیں

آپ کی رسالت عظمیٰ کے ساتھ مقام شہادت کو جوڑ دیا گیا آپ کی گواہی کا رنگ کیا ہوگا، جلوہ کیا ہوگا اور شان کیا ہوگی۔

آپ شاہد ہیں اس لیے کہ آپ اللہ کی توحید کے گواہ ہیں۔

آپ اسلامی احکامات کے سرکاری شاہد ہیں۔

آپ قیامت کے دن صداقت انبیاء کی بھی گواہی گزاریں گے۔

آپ اعمال کی بھی گواہی ارشاد فرمائیں گے۔

عبداللہ بن مبارک کی حدیث ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا مگر سرکار کی اُمت دو مرتبہ آپ پر پیش ہوتی ہے صبح بھی اور شام بھی پیش ہوتی ہے۔

ابن کثیر نے لکھا کہ علامتوں کی وجہ سے حضور ﷺ اپنے غلاموں کو پہچان لیتے ہیں۔

علامہ آلوسی نے لکھا کہ تراقب احوالھم حضور ﷺ اپنی اُمت کے احوال کی نگرانی فرماتے ہیں۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

در نظر بودش مقامات العباد

زاں سبب نامش خدا شاہد نہاد

حضور ﷺ کی رسالت اور شہادت کو جوڑ کر بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کے نمونہ کامل بن کر انہیں عدل وانصاف پر قائم کر دیں اور ان کے لیے اقدار حیات اور معیار حق کا تعین فرما دیں اور ان پر نگرانی اتنی کڑی کر دیں کہ لوگ ان پر ایمان وکردار میں اعتماد کر سکیں۔ حضور ﷺ کے شاہد ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ لوگوں کے لیے حق اور باطل میں فرق واضح فرما دیں اور لوگوں کو اس قابل بنا دیں کہ وہ اپنی قدر و قیمت جاننے لگ جائیں اور اپنے منصب اور کردار کو روحانی بنا لیں اور ان کی محبوبیت کا مرکز حضور ہو جائیں۔ بے شک خوبیوں اور کمالات کا معیار حق تو حضور ﷺ ہی ہیں، اس لحاظ سے شاہد ہونا رسول ہونے کی خوبصورت دلیل بھی ہے اور برہان بھی ہے۔

شیخ عبدالعزیز دیرینی نے کتنا خوبصورت نقشہ کھینچا ہے:

نور آپ کا روشن تر ہے
دلیل آپ کی غالب ترین ہے
راز آپ کا چھا جانے والا ہے
دین آپ کا اکمل ہے
آواز آپ کی خوبصورت ہے
فضل آپ کا عمیم ہے
قدرت آپ کی قوی تر ہے
ذکر آپ کا میٹھا ہے
زبان آپ کی شیریں ہے
لہجہ آپ کا افصح ہے
دعا آپ کی مستجاب ہے
علم آپ کا ارفع ہے
ندا آپ کی مسمع ہے
حاجات آپ کی پوری ہونے والی ہیں
اور شفاعت آپ کی مقبول تر ہے

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا نے لکھا:

The most successful of all religious personalities.

''مذہبی شخصیات میں انتہائی کامیاب بلکہ کامیاب ترین ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے''۔

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید و فرقان حمید کی تفسیر ''تبصرہ'' کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورہ آل عمران کی آیت نمبر 168 تا 171 کی تفسیر پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَّذِیۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِہِمۡ وَ قَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ؕ قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِکُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۶۸﴾ وَ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِیۡنَ بِمَاۤ اٰتٰہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ۙ وَ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِالَّذِیۡنَ لَمۡ یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ مِّنۡ خَلۡفِہِمۡ ۙ اَلَّا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۱۷۰﴾ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِنِعۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَضۡلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۷۱﴾

اَلَّذِیۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِہِمۡ وَ قَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ؕ قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِکُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۶۸﴾

''وہ جنہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا جبکہ خود بیٹھے رہے کہ وہ اگر ہماری اطاعت کرتے تو مارے نہ جاتے، جواب میں فرما دیں کہ اپنے آپ سے موت کو پھیر و تو سہی اگر تم سچے ہو''۔

قرآن مجید کا فیصلہ پڑھنے والی چیز ہے۔ کتاب کہتی ہے کہ منافقین سچے لوگ نہیں جھوٹے اور مکار لوگ ہیں۔ اپنی مخادعاتی طبیعت سے اسلام کی تاریخ بدلنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ خود تو جنگ اُحد سے کنارہ کش رہے اور مجاہدین کی حوصلہ شکنی کی ہر تدبیر سُو آزماتے رہے، خصوصاً جب مجاہدین کی واپسی ہوئی تو یہ سرزنش کے لیے داروغے بن گئے کہ مسلمان اگر ہماری بات مانتے تو اتنے لوگ مقتول نہ ہوتے۔ قرآن مجید نے اس آیت میں منافقین کی بے بنیاد باتوں کا نوٹس لیا اور اپنے سچائیوں کے علمبردار رسول سے کہا آپ فرما دو:

''وہ جنہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا جبکہ خود بیٹھے رہے کہ وہ اگر ہماری اطاعت کرتے تو مارے نہ جاتے، جواب میں فرما دیں کہ اپنے آپ سے موت کو پھیر و تو سہی اگر تم سچے ہو''۔

قرآن مجید کا فیصلہ پڑھنے والی چیز ہے۔ کتاب کہتی ہے کہ منافقین سچے لوگ نہیں جھوٹے اور مکار لوگ ہیں۔ اپنی مخادعاتی طبیعت سے اسلام کی تاریخ بدلنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ خود تو جنگ اُحد سے کنارہ کش رہے اور مجاہدین کی حوصلہ شکنی کی ہر تدبیر سُو آزماتے رہے، خصوصاً جب مجاہدین کی واپسی ہوئی تو یہ سرزنش کے لیے داروغے بن گئے کہ مسلمان اگر ہماری بات مانتے تو اتنے لوگ مقتول نہ ہوتے۔ قرآن مجید نے اس آیت میں منافقین کی بے بنیاد باتوں کا نوٹس لیا اور اپنے سچائیوں کے علمبردار رسول سے کہا آپ فرما دو:

''تم لوگ پیش بینیاں کرتے پھرتے ہو کیا تم یہ کر سکتے ہو کہ موت سے اپنے نفسوں کو محفوظ کر لو، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، کوئی شخص موت سے بچنے کے لیے قلعے میں نہیں بیٹھا ہوا، جب موت نے آنا ہی آنا ہے تو بستر پر ذلت کی موت مرنے سے اچھا نہیں کہ انسان میدانِ جہاد میں دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر لے''۔

آیت ختم اس جملے پر ہوتی ہے ''اگر تم سچے ہو''۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سچائی کا اپنا ایک نور ہوتا ہے جو عمل اور رویہ سے عیاں ہوتا ہے اور جھوٹ ایک الگ سے کالی منطق ہے جس نے جھاگ کی طرح مٹ جانا ہوتا ہے۔

زیر تفسیر آیت میں ایک اور نکتہ قابل غور ہے کہ یہاں مومنین کے لیے ''اخوان'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جبکہ منافقین تو کسی بھی صورت میں مومن کا بھائی نہیں ہو سکتا۔ یہ سرزنش کی نفسیاتی چوٹ ہے کہ تم لوگ اگر مومنین کو بھائی کہتے ہو تو یہ بتاؤ حساس لمحات میں بھائی بھائی کی مدد سے دستکش تو نہیں ہوتا پھر تم مسلمانوں کو چھوڑ کر واپس کیوں آ گئے؟ اسلوب کی دلکشی دیکھیے کہ ''لِاِخۡوَانِہِمۡ'' کے فوراً بعد ''وَ قَعَدُوۡا'' کہا گیا ہے یعنی بھائی بھائی بھی کہتے ہو اور خطرات کے وقت گھر میں بھی بیٹھ جاتے ہو۔

اکثر جھوٹے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ سچوں کا سہارا لینے کے لیے بھائی جی بھائی جی کی رٹ لگاتے ہیں تاکہ معاشرے میں اعتماد حاصل کر لیں لیکن سچی بات یہ ہے سچے سچے ہوتے ہیں اور جھوٹے جھوٹے:

تنبے کدی تربوز نہ تھیندے
بھاویں توڑ مکیوں پھر لے آیئے ہُو
کرگس کا جہاں اور ہے
شاہیں کا جہاں اور

وَ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾

''اور اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے لوگوں کو ہرگز مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے ربّ کے ہاں روزی دیے جاتے ہیں''۔

تسلیم اور جاں گزاری کو آسان بنا دیتا ہے اور یہ بھی کہ گمان رات اور شبِ ظلمت کی طرح ہوتا ہے اور یقین روزِ روشن کی طرح ہوتا ہے اس لیے اس آیت میں دنیا کے زندوں کو آخرت کی قوی زندگی کا شعور دیا جا رہا ہے کہ شہید یقین رکھو کہ زندہ ہوتا ہے اور اس کی قوی زندگی کا ذائقہ یہ ہوتا ہے کہ اسے رزق سے نوازا جاتا ہے، ایسا رزق جس کی حلاوت، مٹھاس اور لذت کو فانی لفظوں کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔

شہداء کے قابلِ رشک اوصاف

☆ شہید کا وصف اول یہ ہوتا ہے کہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے اس کا شعور اتنا بلند ہوتا ہے کہ اسے دنیا ہی میں اخروی زندگی کی مٹھاس کا اندازہ ہوتا ہے اسی لیے تو وہ جاں گزاری کا مسلک اپنا لیتا ہے۔

☆ شہید کا دوسرا وصف یہ ہوتا ہے کہ اس کی گواہی مقبول ہو جاتی ہے اور اس کی شہادت آخرت کی عزت اور دنیا میں دین کو محکم کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

☆ شہید کا تیسرا وصف یہ ہوتا ہے کہ اسے ''سبیل اللہ'' سے مکمل آگاہی ہوتی ہے۔ وہ اپنی زندگی کے لمحات کو ضائع نہیں کرتا بلکہ جامِ شہادت نوش کر کے ابدی زندگی کی سعادتوں سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

☆ شہید کا چوتھا وصف یہ ہوتا ہے کہ وہ نصاب ایمان کو اپنی آنکھوں کے روبرو دیکھ لیتا ہے۔ سننے والا دیکھنے والے کی مانند کیسے ہو سکتا ہے۔

☆ شہید کا پانچواں وصف یہ ہے کہ وہ یقین اور ایمان کا نصاب بن جاتا ہے۔ اس کی زندگی کو تسلیم کرنا قرآن کے مقتضیات میں سے ہے۔

☆ شہید کا چھٹا وصف یہ ہوتا ہے کہ وہ مردہ نہیں زندہ ہوتا ہے۔

☆ شہید کا ساتواں وصف یہ ہوتا ہے کہ اسے اپنے ربّ کے ہاں خصوصی قرب حاصل ہوتا ہے۔ یہ بات ''عِنْدَ رَبِّهِمْ'' سے معلوم ہوتی ہے۔

☆ شہید کا آٹھواں وصف یہ ہوتا ہے کہ اسے خون والے کپڑوں ہی میں بغیر غسل کے دفنا دیا جاتا ہے۔

☆ شہید مرتبۂ شہادت کے ملتے ہی پاک صاف ہو جاتا ہے، یہ نواں وصف ہے۔

☆ اور شہید کا دسواں وصف یہ ہوتا ہے کہ اسے روزی اور رزق ملتا رہتا ہے یعنی اسے جنتی پھل اور جنتی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔

☆ شہید کے باقی اوصاف آنے والی آیات کی توضیح و تشریح میں نقل کیے جائیں گے۔ ان میں سے بعض اوصاف تفسیر صاوی اور روح البیان نے نقل کیے ہیں (580)۔

آیت کا فنی پسِ منظر

آیت کے شانِ نزول پر مفسرین کی آراء ملاحظہ ہوں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

''رسول اکرم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو فرمایا جب تمہارے بھائیوں کو احد کے میدان میں شہادتوں کی فضیلت ملی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عظیم روحوں کو سبز پرندوں کے باطن میں سجایا، اس طرح وہ جنت کی نہروں میں اترتے، نہاتے، پھل کھاتے اور عرش کے سائے میں لٹکی ہوئی سونے کی قندیلوں میں پناہ گزین ہوتے۔ رزق نوازی کی جب یہ بہاریں انہیں ملیں تو وہ کہنے لگے: ہمارے وہ بھائی جو ابھی دنیا میں ہیں انہیں کوئی یہ بات پہنچا دے کہ ہم زندہ ہیں اور جنت میں مزے کر رہے ہیں، یہ اس لیے ہے تاکہ وہ جہاد سے پیچھے نہ رہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت قرآن میں اتار دی'' (581)۔

بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ بدر کے شہداء کی فضیلت میں یہ آیت اتری (582)۔

آیت کا عمومی مفہوم اگرچہ تمام شہدا کے لیے ثابت ثبوت ہے لیکن سیاق کلام بتاتا ہے کہ یہ آیات غزوۂ احد کے بعد ہی نازل ہوئیں۔

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

''خوش ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عنایت فرمایا ہے اور خوشخبریاں پاتے رہتے ہیں اپنے ایمان والے پچھلوں کے بارے میں جو ابھی ان سے ملے نہیں ہیں کہ ان کے لیے بھی کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے''۔

آیت میں اسلوب روحانی فیض بار ہو رہا ہے اور شہید کے اوصاف کو برستی بارش کی طرح مزید آشکار کیا جا رہا ہے۔ ترتیب کے اعتبار سے یہ وصف گیارہواں ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ شہدا ''فَرِحِيْنَ'' خوش ہوں گے، شاد ہوں گے اور وہ حیرتوں اور لذتوں میں ڈوبی ہوئی زندگی جشن کا سا سماں باندھ رہی ہوگی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شہیدوں کی خوشیاں کس سبب سے ہوں گی؟ علامہ آلوسی نے اس سوال کا بہت خوبصورت جواب لکھا ہے (583):

☆ ''فَرِحِيْنَ'' حالت نصبی میں ہے اور ''فَرِحِيْنَ'' کا حالت نصبی میں ہونا تین وجوہات رکھتا ہے، ان وجوہ کے جاننے ہی میں خوشیوں کی علت کا سراغ لگانا بھی سہل اور آسان ہو جاتا ہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ ''فَرِحِيْنَ، يرزقون'' کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے، اس اعتبار سے شہداء کی خوشیوں کا سبب جنت میں پاکیزہ روزی ہے جو شہیدوں کو پیش کی جائے گی۔

☆ دوسرا سبب یہ لکھا کہ یہ ''احیا'' کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے۔ اس نکتہ نظر سے اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کی خوشیوں کا سبب ان کا زندہ ہونا ہے۔

☆ علامہ آلوسی نے تیسرا سبب یہ لکھا کہ یہ ''عند ربهم'' میں ظرف کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے، اس اعتبار سے خوشیاں اللہ کے نزدیک عزت اور تکریم کی وجہ سے ہوں گی۔

☆ علامہ آلوسی نے چوتھا سبب یہ لکھا کہ ''فَرِحِيْنَ'' سے پہلے فعلِ مدح محذوف ہے، اس سے اشارہ اس طرف مطلوب ہے کہ شہداء خوش اس لیے ہوں گے کہ ربّ ان کی مدح اور تعریف کر رہا ہے۔

☆ شہدا کا بارہواں وصف اس اعتبار سے یہ ہے کہ اللہ ان کی تعریف اور مدح فرماتا ہے۔ کہیں تو فرماتا ان پر صلوات اور رحمت ہے اور کہیں فرماتا ہے یہ ہیں وہ لوگ جنہیں فضل سے نواز دیا گیا اور یہ معنیٰ آیت کے اندر موجود ہے۔

لطف و کرم کا عرشِ معلیٰ

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں (584):

کا حصول، دائمی زندگی کا انعام، قرب خداوندی کے جلوے، جنت کی منفعتوں سے لطف اندوزی اور اس پر مزید اللہ کی اعطا اور نوازش کی مسلسل بہار"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان آیات کے بارے میں سوال کیا گیا (585) تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے یہی بات اللہ کے رسول سے پوچھی تھی تو آپ نے فرمایا کہ شہداء کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں میں ہوں گی، ان کے لیے سونے کی قندیلیں عرش سے معلق ہوں گی، وہ جنت میں جہاں چاہیں گے سیر کریں گے، پھر وہ ان قندیلوں میں لوٹ کر آ جائیں گے، پھر ربّ تعالیٰ ان پر اپنی جلوہ گری فرمائے گا۔ یہ سلسلہ تین مرتبہ ہوگا بلکہ ایک روایت کے مطابق ربّ فرمائے گا: "مجھ سے مانگو جو تم چاہتے ہو"۔ وہ عرض کریں گے: "اے ہمارے ربّ! ہم آپ سے کیا تمنا کریں؟ ہم جہاں چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں لیکن جب محسوس ہوگا سوال کرنا ضروری ہے تو دامن پھیلا دیں گے

اے ہمارے ربّ!
ہم چاہتے ہیں!
صرف یہ
کہ
روحوں کو جسموں میں لوٹا دے
یہاں تک کہ
تیری راہ میں ہم جان دے دیں
ربّ فرمائے گا
جو ہونا تھا ہو گیا
مانگ لو!
کچھ اور مانگ لو۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا شہیدوں کا تیرہواں وصف یہ ہوگا کہ اللہ ان پر جلوہ گری فرمائے گا اور کہا جا سکتا ہے کہ چودھواں وصف یہ ہوگا کہ جلوہ گری ایک مرتبہ نہیں ہو گی تین مرتبہ نوازا جائے گا (586)۔

جہانِ تلطّف کے جواہرِ تابندہ

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں (587):

☆ جب جواہر ارواح قدسیہ انوارِ الٰہیہ سے روشن ہوں تو دو وجوہات کی بنا پر انہیں خوشی حاصل ہوتی ہے: ایک تو یہ کہ اللہ کی معرفت اور تجلیات منزّلہ سے ارواح قدسیہ کی ذاتیں منور ہوتی ہیں بلکہ دوسروں کو بھی منور کرتی ہیں اور ان میں روشنی کا تلطّف ہوتا ہے۔

☆ دوسری قسم یہ ہوتی ہے کہ پاکیزہ روحیں نور کے چشموں اور رحمت کے مصادر کا مشاہدہ کرتی ہیں ظاہر یہ ہر چیز خوشی اور مسرت کا باعث ہوتی ہے۔

علامہ رازی کی روح افزا بحث کے بعد یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شہیدوں کی روحیں خود ہی منور نہیں ہوتیں دوسروں کو بھی روشن کر دیتی ہیں، ترتیب کے اعتبار سے یہ شہیدوں کا پندرہواں وصف بھی بنتا ہے۔

پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں خوشیاں

مفسرین نے "لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ" کی چار تاویلات رقم کی ہیں:

☆ تاویل اول یہ ہے کہ شہداء بعض دوسرے شہداء سے کہیں گے ہم اپنے بچوں بھائیوں کو جنگ میں چھوڑ کر آئے ہیں جو کفار سے لڑ رہے تھے وہ بھی شہید ہوں گے، ہماری طرح انہیں بھی رزق دیا جائے گا۔ پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں خوشیوں سے مراد یہی ہے۔ یہ بات روح البیان اور واحدی نے لکھی ہے (588)۔

☆ جملے کی دوسری تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ بروز قیامت جب شہید جنت میں داخل ہوں گے تو انہیں رزق دیا جائے گا، ان کی تکریم قائم کی جائے گی تو وہ خوش ہوں گے جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا، پیچھے رہ جانے والے ان کے بھائی ہوں گے جو مومنین میں سے ہوں گے لیکن انہیں درجہء شہادت نصیب نہیں ہوگا۔ شہید جب ان کے مقامات، جنت میں ان کے داخلے سے پہلے ملاحظہ کریں گے تو شہدا ان کی جگہیں جنت میں دیکھ کر خوش ہوں گے۔

یہ بات اسماعیل حقی اور قرطبی اور رازی نے لکھی (589)۔

☆ تاویل سوم یہ کی گئی کہ شہید ان لوگوں کے بارے میں خوش ہوں گے جن کے بارے میں اندیشہ اور خوف نہ ہوگا کہ وہ کوئی حق ان سے طلب کریں گے اس پر وہ خوشیاں منائیں گے (590)۔

☆ چوتھی تاویل وہ ہے جو قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں لکھی: شہید کے بھائی بند اور دوست جو رتبہ میں شہید کے درجہ کو نہیں پہنچیں گے شہداء ان کے بارے میں بشارت پائیں گے اور خوش ہوں گے کہ ان کے بھائی بندوں کو بھی کوئی خوف، اندیشہ ہرگز نہ ہوگا کیونکہ اللہ نے شہداء کو اپنے بھائیوں کی شفاعت کرنے کا مکمل حق دیا ہوگا (591)۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

"خوش خوش ہیں اللہ کے انعام اور فضل پر اور یقیناً اللہ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا"۔

آیت میں شہداء کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ خوشیاں مناتے ہیں۔ اللہ کی خاص نعمت اور فضل پر اب سوال یہ ہے کہ نعمت اور فضل سے کیا مراد ہے؟

علامہ قرطبی لکھتے ہیں (592):

"نعمت سے مراد اللہ کی طرف سے جنت کامل جانا اور گناہوں کی مغفرت ہو جانا ہے"۔

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں (593):

"نعمت سے مراد اللہ کی طرف سے ثواب کامل جانا ہے"۔

فضل سے مراد نعمتوں میں فراوانی ہے

"فضل اور نعمت سے مراد اللہ کا دین ہے، ایمان ہے اور اسلام کی دولت ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت محمد ﷺ کی محبت اور پیار کا تعلق نعمت ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ روزی اور رزق کی جمیع اقسام عطا فرما دیتا ہے"۔

بقیہ صفحہ نمبر 25 پر

شہنشاہِ ولایت وقاسمِ ولایت

حافظ سخی احمد

حَدَّثَنَا يُونُسُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي بَلْجٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَلِيٍّ: »أَنْتَ وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ بَعْدِي

''حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میرے بعد تم ہر اک مؤمن کے ولی ہو''۔

حضرت آدم علیہ السلام کی زمین پر آمد کے ساتھ ہی انسانیت کی ہدایت کے لیے نبوت کا سلسلہ شروع ہوا اور جو محبوب رب العالمین، سید الانبیاء والمرسلین کے سرِ ناز پر ختم نبوت کے تاج پر مکمل ہوا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی زیرِ قیادت ہر اُمّت میں اللہ تعالیٰ نے اولیاء بھی بھیجے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے فیض نظر سے اُمّت میں ہدایت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ ماہِ صفر کی نسبت اولیاء سے ہے اس لیے زیرِ مطالعہ فرمانِ رسول کریم ﷺ کی تفہیم کی خاطر درج ذیل نکات قائم کیے جاتے ہیں:

اس فرمانِ مُبارک کو امام احمد بن حنبل نے فضائل الصحابہ، امام طبرانی نے المعجم الکبیر امام حاکم نے المستدرک میں اور امام ابوداؤد الطیالسی نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے۔ نیز مختلف اسانید اور الفاظ کے تقدم وتاخر کے ساتھ ہم معنیٰ روایات امام ہیثمی نے مجمع الزوائد، ابن عساکر نے تاریخ دمشق الکبیر، حسام الدین ہندی نے کنز العمال، امام ابن ابی شیبہ نے مصنف ابن ابی شیبہ اور ابن ابی عاصم نے کتاب السنہ میں بھی بیان فرمائی ہیں۔

زیرِ مطالعہ آقا کریم ﷺ کے فرمانِ مُبارک میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مؤمنوں کا ولی قرار دیا گیا تو ضروری ہے کہ ولی کے معنیٰ ومفہوم کو سمجھا جائے اور اس کی روشنی میں منصب وشانِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سمجھنے کی کوشش وسعی کی جائے۔

اس لفظ کے درج ذیل معروف معنیٰ ہیں:

1۔ ولایت کا پہلا معنیٰ ''محبت'' ہے۔ اس لحاظ سے ولی محبت کرنے والے کو کہتے ہیں۔

2۔ ولایت کا دوسرا معنیٰ ''قربت'' ہے۔ اس رُو سے ولی ''اقرب،، یعنی قریب والے کو کہتے ہیں۔ اسی لیے اقرباء کو اولیاء کہتے ہیں۔

3۔ ولایت کا تیسرا معنیٰ ''کفالت'' ہے۔ مثلاً: جب کوئی کہتا ہے کہ فلاں فلاں کی ولایت میں ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی نگرانی ومدد ونصرت میں ہے۔ اسی لیے ولی کو مددگار بھی کہتے ہیں۔

ولی محب بھی اور محبوب بھی

اس معنیٰ کے اعتبار سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ علی میرا محب بھی ہے اور میرا محبوب بھی اور اسی طرح تم میں سے جو بھی میرے علی رضی اللہ عنہ سے دل وجان اور اخلاص ووفا سے محبت کرے گا۔ میں اللہ کا رسول ﷺ بھی اُس مؤمن سے محبت کروں گا اور میرا رب بھی اُسے اپنا محبوب بنالے گا اسی لیے تو دُعا فرمائی:

عن عمار قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أوصي من آمن بي وصدقني بولاية علي بن أبي طالب، فمن تولاه فقد تولاني، ومن تولاني فقد تولى الله ومن أحبه فقد أحبني، ومن أحبني فقد أحب الله، ومن أبغضه فقد أبغضني ومن أبغضني فقد أبغض الله عز وجل (مناقب المغازلی)

''حضرت عمار رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وصیت و حکم فرمایا کہ جو مجھ پر ایمان لایا اور ولایت علی بن ابی طالب پر میری تصدیق بھی کی پس جس نے اسے اپنا ولی بنالیا، یقیناً اُس نے مجھے اپنا ولی بنالیا اور جس کا میں ولی ہوگیا تو اللہ رب العالمین بھی اُس کا ولی بن جاتا ہے اور جس نے علی رضی اللہ عنہ سے محبت کی، اُس نے مجھ اللہ کے رسول سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کرلی تو بلاشبہ اُس نے اللہ رب العزت سے محبت کی۔ جس کسی نے بھی علی ولی رضی اللہ عنہ سے بغض وعداوت رکھا، اُس نے مجھ سے عداوت کی اور مجھ سے عداوت وبغض کرنے والا اللہ تعالیٰ سے بغض کرتا ہے''۔

ولی مقرب ترین

یہی اس لفظ کے حقیقی معنیٰ ہیں یعنی دو اشیاء کے درمیان ایسی نزدیکی وقربت کہ کوئی فاصلہ باقی رہے اور نہ ہی کوئی دوسری شے درمیان میں حائل ہو۔ اسی وجہ اس کا استعمال دوستی، یاری، ذمہ داری، تسلط وغلبہ کے معنیٰ میں ہوتا ہے کیونکہ ان تمام موارد میں ایک طرح کی نزدیکی، اتصال وقربت پائی جاتی ہے۔

لہذا ولی وہ ہوتا ہے جو اللہ کے قریب ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے بھی قریب ترین ہوتا ہے اور جن تک فیض ولایت پہنچاتا ہے اُن کے لیے بھی اُس سے زیادہ کوئی اور قریب نہیں ہوتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ علی علیہ السلام تم سب کا ولی ہے جس کا مفہوم یہ ٹھہرا کہ مجھ تک پہنچنے کے لیے تمہارے اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ اور نہیں ہونا چاہیے۔ میری بارگاہ سے فیض ولایت تم تک میرے علی کرم اللہ وجہہ کے ذریعے سے ہی پہنچے گا۔ اس لیے کبھی بھی علی ولی رضی اللہ عنہ کے توسل سے لاپرواہی اور غفلت نہ برتنا۔

ولی راضی برضا بھی اور مخلوق کا کفیل ونگران بھی

ولایت کا ایک اور معنیٰ ''کفالت اور سپردگی،، ہے۔ یعنی ولی خود کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے اور اپنی مرضی چھوڑ کر اللہ کی رضا وناراضی کو ہر قدم پر ملحوظ رکھتا ہے۔ پھر وہ مقام آجاتا ہے جہاں رب العالمین کی تائید اُسے ہر کام میں حاصل ہوجاتی ہے۔ سماعت اُس کی مگر مدد مالک لم یزل کی، بصارت اُس کی مگر عنایت قادر وقدیر کی۔ فاصلے ولی کے لیے سمٹ جاتے ہیں، وقت ٹھہر جاتا ہے، ناممکن ادب واطاعت سے ممکن ہونا

شروع ہوجاتا ہے کیونکہ ولی کی بارگاہ الوہیت میں خود سپردگی نے اُسے مخلوق کے حق میں مشکل کشا اور حاجت روا بنا دیا۔ اب تقدیر خود ولی سے اُس کی رضا پوچھنے لگ جاتی ہے۔ اس معنیٰ میں فرمانِ رسول محتشم ﷺ کا مفہوم یہ ہوگا کہ میرا علی رضی اللہ عنہ وہ ہے جس نے اپنا سب کچھ اور اپنوں کا سب کچھ اپنے رب کے سپرد کر دیا۔ اس خود سپردگی کے منظر کوفہ کی جامع مسجد میں خود علی رضی اللہ عنہ، مدینہ میں حسن المجتبیٰ رضی اللہ عنہ، کربلا میں امام حسین رضی اللہ عنہ اور دمشق میں سیدزین رضی اللہ عنہ وسیدہ زینب پاک رضی اللہ عنہا کی صورت میں نمایاں اور واضح ہیں۔ مگر ہر حال میں، ہر زمانے میں، ہر مشکل میں آلِ رسول ﷺ اور اولادِ علی علیہ السلام اُمت کی کفالت اور نگرانی کرتی رہے گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرا علی علیہ السلام ہر کلمہ گو مرد و عورت کا ولی ہے۔ کمال شانِ ولی ہے کہ خود راضی برضارہ کر ہر تکلیف و دکھ کو برداشت کر لیتا ہے مگر زبان پر اُف تک نہیں آتی مگر دوسری طرف مخلوقِ عامہ کی تکالیف کو اللہ رب العالمین انہیں کی دُعاؤں سے دور کر دیتا ہے۔

1۔ بَعْدِي

آقا کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے براہِ راست فرمایا کہ میرے بعد تم ہر مؤمن مرد اور مؤمنہ عورت کے ولی ہو۔ امام نسائی نے سنن الکبریٰ میں اس بات کو یوں روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ علی کے بارے میں کبھی بُرا گمان نہ کرنا کہ میرے بعد وہ ہر مؤمن کا ولی ہے۔ "بعدی" میں دو امکان ہو سکتے ہیں:

امکانِ اوّل

"بعدی" سے مراد رسول اللہ ﷺ کا ظاہری وصال ہے کہ نصیحت فرمائی، حکم ارشاد فرمایا اور ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تفویض فرمائی کہ میرے پردہ کر جانے کے بعد ولایت کی ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے۔ مگر اس تفسیر و تشریح میں کئی اشکال ہیں مثلاً فیضِ رسالت تو قیامت اور بعد قیامت بھی جاری رہے گا اور اسی طرح ولایت بھی آقا کریم ﷺ کی ظاہری حیات میں بھی اُنہی کی نگاہِ کرم اور فیضِ تربیت سے قائم تھی۔ اس لیے امکانِ دوم کی طرف توجہ کرنی پڑے گی۔

امکانِ دوم

"بعدی" میں دوسرا امکان مقام و مرتبہ و منزلت کا ہو سکتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ تقسیمِ ولایت کے سلسلے جتنے بھی جاری ہوں گے اور مؤمنوں میں سے جو بھی اس مرتبہ پر فائز ہوگا۔ اے علی رضی اللہ عنہ! وہ تیری نگاہِ محبت، نظرِ عنایت، خیراتِ توجہ و شفقت اور تصدیق سے ہو سکے گا۔

وراثتِ محمدی ﷺ کے اس مضمون کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اِن الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

پس وراث آنحضرت هم بسه قسم منقسم اند فوراثه الذين أخذوا الحكمة والعصمة والقطبية الباطينة، هم أهل بيته و خاصته و وراثه الذين أخذوا الحفظ و التلقين و القطبية الظاهرة الإرشادية، هم أصحابه الكبار كالخلفاء الأربعة و سائر العشرة، و وراثه الذين أخذوا العنايات الجزئية و التقوي و العلم، هم أصحابه الذين لحقوا باحسان كأنس و أبي هريرة و غيرهم من المتأخرين، فهذه ثلاثة مراتب متفرعة من كمال خاتم الرسل صلى الله عليه وآله وسلم.

"حضور نبی اکرم ﷺ کی وراثت کے حاملین تین طرح کے ہیں: ایک وہ جنہوں نے آپ ﷺ سے حکمت و عصمت اور قطبیتِ باطنی کا فیض حاصل کیا، وہ آپ ﷺ کے اہل بیت اور خواص ہیں۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جنہوں نے آپ ﷺ سے حفظ و تلقین اور رشد و ہدایت سے متصف قطبیت ظاہری کا فیض حاصل کیا، وہ آپ ﷺ کے کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جیسے خلفائے اربعہ اور عشرہ مبشرہ ہیں۔ تیسرا طبقہ وہ ہے جنہوں نے انفرادی عنایات اور علم و تقویٰ کا فیض حاصل کیا، یہ وہ اصحاب ہیں جو احسان کے وصف سے متصف ہوئے، جیسے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ دیگر متاخرین۔ یہ تینوں مدارج حضور نبی اکرم ﷺ کے کمال خاتمیتِ نبوت و رسالت سے جاری ہوئے"۔

(التفہیمات الالٰہیہ)

حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کے درج بالا اقتباس سے شانِ اہلبیت اطہار کے ساتھ ساتھ شانِ سیدنا ابوبکر صدیق و سیدنا فاروق اعظم و سیدنا عثمانِ غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہم بھی واضح ہوگئی اور مقاماتِ خلافت و ولایت بھی نمایاں ہو گئے۔

منصبِ ولایت میں اولیت مولا علی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

و فاتحِ اوّل ازين أمت مرحومه حضرت علی مرتضی است كرم الله تعالیٰ وجهه (التفهيمات الالهيه)

"اس اُمتِ رحمت میں فاتح اوّل یعنی ولایت کا دروازہ سب سے پہلے کھولنے والے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں"۔

"حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ مزید فرماتے ہیں کہ مولا علی علیہ السلام سے یہ منصبِ ولایت آپ کی اولاد میں سرایت کر گیا۔ لہٰذا کوئی ایک ولی بھی ایسا نہیں جو خاندانِ مرتضیٰ علیہ السلام سے وابستہ نہ ہو۔ اسی لیے روحانیت و طریقت کے تمام سلاسل آپ ہی کی بارگاہ میں رجوع کرتے ہیں"۔

یہ نظریہ حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کا ہے کہ اب اُمت میں سے جسے بھی بارگاہِ رسالت ﷺ سے کرم و فیضِ ولایت عطاء ہوتا ہے وہ صرف نسبتِ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ہی ہوتا ہے۔ ایک اور مقام پر شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"ایک روز مقام قرب میں غور کی نگاہ کی گئی تو ہر چند نظر دور دور تک گئی لیکن جو جہت خاص حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں تھی اس سے زائد کسی میں نہ دیکھی گئی اور اس جہت میں کسی دوسرے کی ان پر فضیلت نظر نہیں آتی۔ آپ اس جہت یعنی مقام قرب کے اعلیٰ مرکز کے اوپر ہیں اور اسی لیے آپ ہی مبداء عرفان ہیں"۔ (القول الجلی فی ذکر آثار ولی)

مولا علی ولادت سے بھی پہلے اس منصب پر فائز تھے

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ طریقت میں سلسلہ مجددیہ کے بانی اور سلسلۂ نقشبندیہ میں خلیفۂ اوّل حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حسین اداؤں کے امین ہیں جبکہ نسب میں خلیفۂ دوم حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نسبت سے اہلبیت اطہار سے محبت و آدابِ فاروقی سے خوب آگاہ ہیں اسی لیے تو صدیقی و فاروقی نسبتوں کا حق ادا کرتے ہوئے حضرت سیدنا مولا علی رضی اللہ عنہ کی شانِ ولایت میں یوں رقمطراز ہیں:

و اين منصب عظيم الشان بايشان تعلق دارد درينمقام گونيا هر دو

قدم مبارک آنسرور علیه و علی آله الصلوة و السلام برفرق مبارک اوست کرم اللہ تعالی وجهه حضرت فاطمه و حضرات حسنین رضی اللہ عنهم درینمقام با ایشان شریکند، انکارم که حضرت امیر قبل از نشاءه عنصرے نیز ملاذ این مقام بوده اند، چنانچه بعد از نشاءه عنصرے و هر کرا فیض و هدایت ازین راه میرسید بتوسط ایشان میرسید چه ایشان نزدن۔ قطه منتهائے این راه و مرکز این مقام بایشان تعلق دارد

''اور یہ عظیم الشان منصب حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس راہ میں گویا رسول اللہ ﷺ کے دونوں قدم مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مبارک سر پر ہیں اور حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم اِس مقام میں اُن کے ساتھ شریک ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ اپنی جسدی پیدائش سے پہلے بھی اس مقام کے ملجا و ماویٰ تھے، جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ جسدی پیدائش کے بعد ہیں اور جسے بھی اس راہ کا فیض پہنچا اُن کے ذریعے سے پہنچا کیونکہ وہ اس راہ کے آخری نقطہ کے نزدیک ہیں اور اس مقام کا مرکز ان سے تعلق رکھتا ہے''۔

حضرت مجدد پاک کے یہ الفاظ دوبارہ ملاحظہ فرمائیں تاکہ "بعدی" کی تفسیر کو سمجھا جا سکے:

که حضرت امیر قبل از نشاءه عنصرے نیز ملاذ این مقام بوده اند

تقسیم ولایت کے اس منصب پر مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم اپنی ولادت سے بھی پہلے فائز تھے۔ یہ الفاظ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے ہیں جو اس بات کی واضح تشریح ہے کہ زیرِ مطالعہ فرمانِ رسول مکرم ﷺ میں "بعدی" سے مراد بعد زمانہ نہیں بلکہ منصب تقسیم ولایت میں اولیت مراد ہے۔

امام اہلسنت امام احمد رضا خان کا نظریہ وعقیدہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان خان قادری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فیوض وبرکات کارخانه ولایت که از جناب الٰهی بر اولیاء الله نازل مے شود اول بریک شخص نازل مے شود وازاں شخص قسمت شهد بهریک ازاولیائے عصر موافق مرتبه وبحسب استعداد می رسدوبه هیچ کس از اولیاء الله بے توسط او فیضی نمی رسدو کسے از مردانِ خدا بے وسیله اور درجه ولایت نمی یابد اقطاب جزئی و اوتاد وابدال و نجیاء ونقباء وجمیع اقسام از اولیائے خدا بوے محتاج می باشند صاحب این منصب عالی را امام و قطب الارشاد بالاصالة نیز خوانند واین منصب عالی از وقت ظهور آدم علیه السلام بروحِ پاک علی مرتضی کرم الله وجهه مقرر بود

''کارخانہ ولایت کے فیوض وبرکات جو اللہ کی بارگاہ سے اولیاء پر نازل ہوتے ہیں پہلے ایک شخص پر اترتے ہیں اور اس شخص سے تقسیم ہو کر اولیائے وقت میں سے ہر ایک کو اس کے مرتبہ واستعداد کے مطابق پہنچتے ہیں اور کسی ولی کو بھی اس کی وساطت کے بغیر کوئی فیض نہیں پہنچتا اور اہل اللہ میں سے کوئی بھی اس کے وسیلہ کے بغیر درجہ ولایت نہیں پاتا۔ تمام اقطاب، اوتاد، ابدال، نجبا، نقباء اور تمام اقسام کے اولیاء اللہ اس کے محتاج ہوتے ہیں، اس منصب بلند والے کو امام اور قطب الارشاد بالاصالۃ بھی کہتے ہیں اور یہ منصب عالی ظہور آدم علیہ السلام کے زمانے سے حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کی روح پاک کے لیے مقرر تھا''۔

امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کے درج بالا ارشاد سے حدیث پاک کی تفہیم میں درج ذیل نکات فائدہ دیتے ہیں:

- فیضِ ولایت میں تمام اغواث، اقطاب، ابدال، نقباء و نجباء سب بلکہ سب کے سب حضرت علی المرتضیٰؓ کے محتاج ہیں
- حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہر ولی کو اُس کی استعداد و صلاحیت کے مطابق فیض وخیرات عطاء فرماتے ہیں
- حضرت علی علیہ السلام اس منصب پر حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے فائز ہیں۔
- مقصود و مطلوب واضح ہوا کہ ہر نبی کی اُمت میں سے جس کو جب بھی ولایت کا فیض پہنچا تو وہ بارگاہِ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ذریعہ سے پہنچا۔

ہو چشتی قادری یا نقشبندی سہروردی ہو
ملا سب کو ولایت کا انہی کے ہاتھ سے ٹکڑا

ولایت ایک منصبِ عظیم ہے
جس کے فاتح اوّل۔۔۔۔۔۔حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں
جس کو بھی جب جب فیض ولایت ملا۔۔۔۔علی رضی اللہ عنہ کے دَر سے ملا
ہر باضمیر اور غیرت مند شخص سے یہ سوال ہے!!
کہ مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا مکانِ رفعت عُلیٰ واعلیٰ کیا ہے۔۔۔۔۔؟؟؟
نبوتِ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبوتِ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تک
ہر اُمّت میں ولایت کی تصدیق و تقسیم ہوتی ہے تو دستِ شہنشاہِ ولایت کے ہاتھوں سے
ہر نبی کی اُمّت میں، اوّلین و آخرین میں
جس جس خوش نصیب کو ولایت کا عظیم الشان منصب ملا
تو اُس اُمّت کے نبی کی اجازت وکرم اور مولا علی رضی اللہ عنہ کی تصدیق سے ملا۔
مفتیانِ کرام سے درخواست ہے کہ فتویٰ ضرور دیں!!
کفر، ظلم، بدعقیدگی اور انحراف وتاویل باطلہ کا
مگر یہ سوچ کر، یہ سمجھ کر، یہ جان کر، یہ مان کر
کہ یہ عقیدہ مجدد الف ثانی کا ہے، یہی نظریہ شاہ ولی اللہ کا ہے
اور یہی تبلیغ ونصیحت اپنے عقیدت مندوں قادریوں اور رضویوں کو
امام اہلسنت احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی بھی ہے
اور یہی ایمان ہمارا بھی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ ہمارے ولی ہیں
علی رضی اللہ عنہ ہی بارگاہِ رسالت میں ہمارا وسیلہ وسہارا ہیں
اور یہی راستہ ہر کلمہ گو مسلمان مرد وعورت کا بھی ہے
مرتضیٰ شیرِ حق اشجع الاشجعین
بابِ فضل وولایت پہ لاکھوں سلام
شیرِ شمشیر زن شاہِ خیبر شکن
پرتوِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شعائرِ اسلام

تاریخی تناظر میں

پروفیسر محمد طاہر القادری

ہمارے عقیدے، باطنی اِرتقاء اور رُوحانی زندگی کا اِنحصار ''ذِکر'' یعنی یاد کرنے، یاد رکھنے اور یاد منانے پر ہے۔ ہمارے روز مرہ معاملات، سرگرمیاں، حرکات وسکنات، گفتگو، سمجھ بوجھ، پڑھنا لکھنا، میل ملاقات، الغرض جملہ اُمورِ زندگی اُس علم پر منحصر ہوتے ہیں جو ہم حاصل کرتے ہیں اور اپنی یادداشت میں محفوظ کر لیتے ہیں۔ اِس طرح پوری زندگی لمحہ بہ لمحہ ہماری یاد میں محفوظ ہوتی ہے۔ یہی یاد ہمیں زندگی گزارنے کے طریقے، سلیقے اور ہنر سکھاتی ہے۔ سب نئے پرانے رشتے اسی یاد سے زندہ رہتے ہیں۔ اسی کی بنیاد پر ہماری عادات وخصائل متشکل ہوتے ہیں۔ اس کے بغیر ہمیں کسی زبان یا بات چیت کی سمجھ آسکتی ہے نہ ہم دوستوں یا دشمنوں کی پہچان رکھ سکتے ہیں۔ ''یاد'' کے بغیر گویا پوری زندگی دیوانگی ہے، ہوش وخرد کا وجود محض اسی یاد کے سہارے قائم ہے۔

قرآن حکیم کے نظامِ ہدایت میں ''یاد'' منانے کی اہمیت

قرآن حکیم نے انسان کو جو نظامِ ہدایت عطا کیا ہے اُس کے قیام واستحکام کی بنیاد بھی اسی یاد پر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ وہ انسان جو اللہ اور اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آتا ہے وہ ہدایتِ الٰہی کے ماضی اور مستقبل پر بھی ایمان لاتا ہے۔ قرآن حکیم فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ O

''اور وہ لوگ جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا (سب) پر ایمان لاتے ہیں، اور وہ آخرت پر بھی (کامل) یقین رکھتے ہیں''۔ (البقرۃ، 4:2)

یہاں ''آپ سے پہلے نازل کی گئی'' کتابوں پر ایمان ''یاد'' کی بنیاد پر ایمان کا جزو لاینفک بن گیا ہے جب کہ مومن کا باقی زندگی میں اُسی ہدایت کو ''یاد رکھتے ہوئے'' اور ہر قدم اس کی اتباع اور پیروی کرتے ہوئے گزارنا تکمیلِ ایمان کے لیے لازم ہے۔

اِنسان اِنتخابِ عمل کے دوراہے پر کھڑا ہے، جب وہ کسی عمل کا اِرادہ کرتا ہے تو جو کچھ اسے یاد ہوگا اسی کے مطابق اس سے عمل سرزد ہوگا۔ یہاں ایک لطیف نکتہ یہ بھی سمجھنے والا ہے کہ دل کی کیفیات یا قلبی اَعمال جنہیں ہم محبت، خشیت، عجز و نیاز اور تسلیم و رضا کے الفاظ استعمال کر کے ان کا تصور قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں ''یاد'' یا ''یادوں'' سے منسلک ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ جذبات ہیں مگر خیالات کے تحرک کے بغیر وجود میں نہیں آتے۔ اس کے لیے اللہ رب العزت نے انسان کو یاد کی نعمت عطا کر رکھی ہے۔ جب کفار ومشرکین کو دعوتِ ایمان دی جاتی تو ہمیشہ جواب میں یہی کہتے کہ ہم اُس مسلک پر چلنا چاہتے ہیں جو ہمارے آباء و اَجداد اور اَسلاف سے نسلاً بعد نسلٍ چلا آرہا ہے۔ یعنی وہ ماضی کی ''یاد'' سے اِنقطاع پر تیار نہ ہوتے تھے۔ اس پر انہیں یاد دلایا جاتا کہ تمہارے باپ دادا کا راستہ منزل تک نہیں جاتا، وہ بھی غلط راستے پر چل رہے تھے اور وہ اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے۔ ان کے پاس بھی پیغامِ ہدایت آیا لیکن انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی اور برباد ہوگئے۔ قرآن حکیم میں ہے:

فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ O

''پھر ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے اپنی رحمت کے باعث نجات بخشی اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے''۔ (الاعراف، 72:7)

یہاں کفار ومشرکین کو ''یاد دلایا'' جارہا ہے کہ تمہارے اَسلاف نے غلط راستہ اختیار کیا اور برباد ہوگئے۔ لہٰذا وہ راستہ اپناؤ جس کی طرف تمہارے اسلاف کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ مسلمانوں پر بھی لازم قرار دیا گیا کہ سابقہ انبیاء ورسل جو پیغامِ الٰہی لے کر تشریف لائے وہ یہی پیغام ہے جو قرآن میں ہے۔ لہٰذا پہلی کتابوں پر ایمان لانا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا قرآن حکیم پر ایمان لانا ضروری ہے۔

ملتِ اِبراہیمی: ''سابقہ انبیاء کرام کی یاد منانا'' اور ان کی نبوت ورسالت کا اِقرار کرنا بھی ہمارے ایمان کا لازمی جزو ہے۔ چنانچہ اسلام کو قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر ''ملتِ ابراہیمی'' کہا گیا ہے:

1. وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ O

''اور کون ہے جو ابراہیم (علیہ السلام) کے دین سے رُوگرداں ہو سوائے اُس کے جس نے خود کو مبتلائے حماقت کر رکھا ہو، اور بیشک ہم نے انہیں ضرور دنیا میں (بھی) منتخب فرما لیا تھا، اور یقیناً وہ آخرت میں (بھی) بلند رتبہ مقرّبین میں ہوں گے''۔

(البقرۃ، 2 : 130)

2. وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ O

''اور (اہلِ کتاب) کہتے ہیں: یہودی یا نصرانی ہو جاؤ ہدایت پا جاؤ گے، آپ فرما دیں کہ (نہیں) بلکہ ہم تو (اس) ابراہیم (علیہ السلام) کا دین اختیار کیے ہوئے ہیں جو ہر باطل سے جدا صرف اللہ کی طرف متوجہ تھے، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے''۔

(البقرۃ، 135:2)

3. قُلْ صَدَقَ اللهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ O

''فرما دیں کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے، سو تم ابراہیم (علیہ السلام) کے دین کی پیروی کرو جو ہر باطل سے منہ موڑ کر صرف اللہ کے ہو گئے تھے، اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے''۔ (آل عمران، 95:3)

4. وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا O

''اور دینی اعتبار سے اُس شخص سے بہتر کون ہوسکتا ہے جس نے اپنا رُوئے نیاز اللہ کے لیے جھکا دیا اور وہ صاحبِ احسان بھی ہوا، اور وہ دینِ ابراہیم (علیہ السلام) کی پیروی کرتا رہا جو (اللہ کے لیے) یک سُو (اور) راست رَو تھے، اور اللہ نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنا مخلص دوست بنا لیا تھا (سو وہ شخص بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت سے اللہ کا دوست ہو گیا)''۔

(النساء، 125:4)

5. قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ O

''فرما دیجیے: بے شک مجھے میرے رب نے سیدھے راستے کی ہدایت فرما دی ہے، (یہ) مضبوط دین (کی راہ ہے اور یہی) اللہ کی طرف یک سُو اور ہر باطل سے جدا ابراہیم (علیہ السلام) کی ملت ہے، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے''۔

(الأنعام، 161:6)

6. ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ O

''پھر (اے حبیبِ مکرّم!) ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ ابراہیم (علیہ السلام) کے دین کی پیروی کریں جو ہر باطل سے جدا تھے، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے''۔ (النحل، 123:16)

7. وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ O

''اور اللہ (کی محبت و طاعت اور اس کے دین کی اشاعت و اقامت) میں جہاد کرو جیسا کہ اس کے جہاد کا حق ہے۔ اس نے تمہیں منتخب فرما لیا ہے اور اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ (یہی) تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کا دین ہے۔ اس (اللہ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، اس سے پہلے (کی کتابوں میں) بھی اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ یہ رسول (آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم پر گواہ ہو جائیں اور تم بنی نوع انسان پر گواہ ہو جاؤ، پس (اس مرتبہ پر فائز رہنے کے لیے) تم نماز قائم کیا کرو اور زکوٰۃ ادا کیا کرو اور اللہ (کے دامن) کو مضبوطی سے تھامے رکھو، وہی تمہارا مددگار (وکارساز) ہے، پس وہ کتنا اچھا کارساز (ہے) اور کتنا اچھا مددگار ہے''۔ (الحج، 78:22)

ان جملہ آیات میں ملتِ ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ میں دو قیدیوں کے خوابوں کی تعبیر فرمانے سے پہلے اپنے دین کی تبلیغ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَقَ وَيَعْقُوبَ.

''اور میں نے تو اپنے باپ دادا، ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب (علیہم السلام) کے دین کی پیروی کر رکھی ہے''۔ (یوسف، 38:12)

ان آیات میں سابقہ اَنبیاء کی یاد کو دین کی بنیاد بنایا جا رہا ہے، یعنی اَنبیائے سابقہ اور ان کی اُمتوں کے حالات کو یاد رکھتے ہوئے اَنبیاء کی سنت کی پیروی کرنا بھی سنتِ انبیاء ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ.

''(اے حبیب!) بے شک ہم نے آپ کی طرف (اُسی طرح) وحی بھیجی ہے جیسے ہم نے نوح (علیہ السلام) کی طرف اور ان کے بعد (دوسرے) پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی''۔ (النساء، 163:4)

سابقہ اُمتوں اور حضور ختمی مرتبت سے پہلے تشریف لانے والے انبیاء کرام کے احوال اور دین ابراہیم کے حوالے سے حاصل ہونے والا علم اہلِ ایمان کے قلوب واَذہان میں یاد کی صورت میں منور ہو کر قدم قدم پر ہمارے لیے ہدایت کی روشنی مہیا کرتا ہے۔

یاد کا مضمون انتہائی وسیع ہے اور اس کا احاطہ کرنے کے لیے الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ انسانی زندگی کی اس بنیادی خوبی کو موثر طریقے سے استعمال میں لانے کے لیے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اس مضمون کا ذکر آیا ہے۔ یہاں موضوع سے متعلقہ نکات ذہن نشین کرنے کے لیے اتنا کافی ہے کہ ہم ''یاد'' کے لیے قرآن حکیم میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کا مطالعہ کریں۔ اس حوالہ سے ''ذکر'' کا لفظ قرآن حکیم میں کم وبیش 267 مرتبہ اِستعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب ہے: یاد کر لینا، یاد دلانا، محفوظ کر لینا۔ عبرت اور نصیحت کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے جب کہ قرآن مجید کو بھی ''ذکر'' کہا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں بعض مقامات پر ذکر کے مقابلے میں ''نسیان'' کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب ہے: بھول جانا، بھلا دینا، یا غیر اہم سمجھ کر ترک کر دینا، چھوڑ دینا۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی کے لیے جو تعلیم نازل فرمائی وہ اصولی طور پر اول تا آخر ایک ہی تھی، لیکن انسانی تحریف وتبدل کی وجہ سے وہ اپنی اصل شکل میں نہ رہی۔ قرآن اس فراموش کردہ تعلیمِ ربانی کی یاددہانی کراتا ہے تاکہ انسان کی توجہ ان کی طرف مبذول ہو جائے۔ قرآن مجید کے اندر جو احکامات بیان ہوئے ہیں انہیں بھی وہ مختلف پہلوؤں سے سامنے لا کر ایک مقام کی دوسرے مقام پر یاددہانی کراتا ہے۔ اس طرح بار بار یاددہانی سے انسان کے دل میں ان قوانین کی اہمیت اور عظمت کا احساس پیدا کرتا ہے تاکہ انسان ان کی پابندی کی طرف توجہ دے۔

نعت شریف

اَج سِک مِتراں دی ودھیری اے   ایہا صُورت شالا پیشِ نظر
کیوں دِلڑی اُداس گھنیری اے ؟   رہے وقتِ نزع تے روزِ حشر
لُوں لُوں وِچ شوق چنگیری اے   وِچ قبر تے پُل تھیں جد ہوسی گزر
اَج نیناں لائیاں کیوں جھڑیاں   سب کھوٹیاں تھیسن تد کھریاں

اَلطَّیفُ سَرٰی مِنَ طَلعَتِہٖ   یَعطِیکَ رَبُّکَ داس تُساں
وَ الشَّذُ وُ بدیٰ مِن وَ فرَتِہٖ   فَتَرضٰی تھیں پوری آس اساں
فَسکَرتُ ھُنَا مِن نَظرَتِہٖ   لج پال کریسی پاس اساں
نیناں دِیاں فوجاں سر چڑھیاں   وَاشفَع تُشَفَّع صحیح پڑھیاں

مُکھ چند بدر شعشانی اے   لاہو مُکھ تو مخطط برد یمن
مَتّھے چمکے لاٹ نُورانی اے   من بھانوری جھلک دِکھاؤ سجن
کالی زُلف تے اَکھ مستانی اے   اوہا مِٹّھیاں گالیں الاؤ مِٹّھن
مخمور اَکھیں ہِن مدھ بھریاں   جو حمرا وادی سَن کریاں

دو ابرُو قوس مثال دِسّن   حُجرے توں مسجد آؤ ڈھولن
جَیں توں نوکِ مِژہ دے تیر چُھٹن   نُوری جھات دے کارن سارے سِکن
لباں سُرخ آکھاں کہ لعلِ یمن   دو جگ اکھیاں راہ دا فرش کرن
چٹّے دند موتی دِیاں ہِن لڑیاں   سب اِنس و ملک حُوراں پریاں

اس صورت نُوں میں جان آکھاں   اِنہاں سِکدیاں تے کُرلاندیاں تے
جانان کہ جانِ جہان آکھاں   لکھ واری صدقے جاندیاں تے
سچ آکھاں تے ربّ دی مَیں شان آکھاں   اِنہاں بردیاں مفت وکاندیاں تے
جِس شان تو شاناں سب بنیاں   شالا آون وت وی اوہ گھڑیاں

ایہہ صُورت ہے بے صُورت تھیں   دِسے صُورت راہ بے صُورت دا
بے صُورت ظاہر صُورت تھیں   توبہ راہ کی عین حقیقت دا
بے رنگ دِسّے اس مُورت تھیں   پر کم نہیں بے سُوجھت دا
وِچ وحدت پُھٹّیاں جد گھڑیاں   کوئی وِرلیاں موتی لے تریاں

سُبحَانَ اللہ مَا اَجمَلَکَ
مَا اَحسَنَکَ مَا اَکمَلَکَ
کِتّھے مہرؔ علی کِتّھے تیری ثنا
گُستاخ اَکھیں کِتّھے جا اَڑیاں

پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیدار مغزی

محمد بن علوی المالکی الحسینی

حضور پُر نور ﷺ کی عقل شریف آپ کی اس ہوشیاری اور بیدار مغزی سے عیاں وظاہر ہوتی ہے جو آپ نے اپنے دشمنوں اور زیادتی کرنے والوں سے معافی کی صورت میں فرمائی اور مختلف اور متنوع اقسام کی بچاؤ کی تدابیر آپ نے اختیار فرمائیں اور ان کے مکر وفریب اور دھوکہ کی تردید اور اس کا جواب دیا۔ پس حضور پُر نور ﷺ نے سیدنا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ آپ یہود کی کتابت اور خط سیکھیں اور ان کی زبان ولغت سے آگاہی حاصل فرمائیں تو یہ گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہود کے مکر وفریب اور دھوکہ سے نجات کی تدبیر فرمائی اور ان کے دغا فریب سے چھٹکارے کی سبیل نکالی، اسی لئے کہا گیا ہے جس شخص نے کسی قوم کی لغت اور زبان سیکھ لی وہ اس قوم کے مکر وفریب اور دھوکہ سے نجات و چھٹکارے میں رہا۔

حضور پُر نور ﷺ نے غزوۂ بدر اور غزوۂ خندق کے روز بعض افراد کو بھیجا جو آپ کی ذات اقدس کو دشمن کے بارے میں معلومات فراہم کریں اور اس کی تعداد کے بارے میں بتائیں۔ یہ حضور پُر نور ﷺ کی کمال بیداری اور انتہائی ہوشیاری پر دلیل ہے جس سے آپ کی ذات اقدس کی کامل عقل ودانش ظاہر ہوتی ہے اور آپ نے غزوۂ خندق کے دن نعیم بن مسعود اشجعی کو ارسال فرمایا تاکہ آپ دشمنوں کی صفوں کے درمیان مدد نہ دینے کی ترغیب دیں اور ان کو پسپائی اور جنگ بند کرنے پر آمادہ کریں اور آپ نے فرمایا جس قدر ممکن ہو آپ ہماری جانب سے یہ کام سرانجام دیں کیوں کہ جنگ ایک چال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور پُر نور ﷺ امور حرب و جنگ کو اپنے دشمنوں پر مخفی و پوشیدہ رکھا کرتے اور ان کو دشمن پر ملتبس فرما دیتے تاکہ دشمن ان امور کو سمجھ نہ پائیں اور ان سے آگاہی حاصل کر کے دفاع کے قابل ہو جائیں یا اپنی طاقت و فوج میں اضافہ کریں۔ اس سے خون بکثرت بہنے کا خدشہ ہے اور یہ تمام امور حضور پُر نور ﷺ کی کمال بیداری اور ہوشیاری وعقل مندی اور آگاہی پر دلیل ہیں کہ تحفظ کے اسباب جمع کئے جائیں، دشمن کا گھیراؤں کیا جائے یا اس کو ڈرایا دھمکایا جائے اور یہ آپ کی عقل کے کمال میں سے ہے۔

حضور پُر نور ﷺ کی حسن مدارت، تواضع اور خوش اسلوبی

آپ کی کمال عقل آپ کے معاملہ میں واضح اور ظاہر ہوتی ہے اور آپ کے حسن سیاست سے عیاں نیز اس طرح کہ آپ نے لوگوں سے کس طرح خوش اسلوبی اور حسن معاملگی سے کام لیا اور ان کے مختلف ومتفرق طبقات سے کس قدر اچھا سلوک کیا تاکہ اس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کی تالیف قلوب فرما کر اور انہیں حق وسچ کی جانب مائل فرمائیں جو لے کر آپ کی گرامی قدر ذات مبعوث ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور پُر نور ﷺ پاگل و بے وقوف لوگوں سے حسن سلوک اختیار فرمایا کرتے اور احمق و پاگل لوگوں کی خاطر مدارت فرمایا کرتے تاکہ ان کی برائی اور گمراہی سے بچ سکیں اور انہیں حق کی جانب مائل فرمائیں۔ یہ مدارت اور خوش اسلوبی اس لیے بھی تھی کہ آپ ﷺ ان کو ہدایت ورشد اور پختگی واستقلال کی جانب مائل فرما سکیں اور حضور سرور عالمیان ﷺ اپنے چہرۂ انور کے ساتھ قوم کے انتہائی برے اور قبیح انسانوں کا استقبال فرمایا کرتے اور ان سے اس طرح الفت ومحبت رکھتے اور حضور پُر نور ﷺ فرمایا کرتے: لوگوں سے خوش اسلوبی وخوش معاملگی اور حسن سلوک سے پیش آنا صدقہ ہے۔

خطبات نبوی کا ادبی پہلو

سید العرب والعجم محمد مصطفی علیہ افضل التحیۃ والسلام کے خطبے فن خطابت کے وہ اعلیٰ نمونے ہیں کہ ہر داعی حق کے لیے از حد ضروری ہے کہ ان کی پیروی کرے، ان سے اخذ مطالب کرے اور ان کے اسلوب پر لوگوں کو چلائے۔

آپ کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ آپ کے مواعظ سامعین کے کانوں سے ٹکرائیں تو ان کا حرف جدا جدا آواز دے اور ہر لفظ علیحدہ علیحدہ سنائی دے۔ آپ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے، خطبہ اونچی جگہ پر دیتے۔ اسی لیے مسجد نبوی میں منبر رکھوایا، آپ کی کوشش ہوتی تھی کہ آپ کے ارشادات دل کی گہرائیوں تک پہنچیں اور اس مقصد کی خاطر آپ مانوس الفاظ، مربوط انداز اور واضح مطالب کو خوبصورت ترین اسالیب میں بیان فرماتے تھے۔

بعض اوقات دوران خطابت کسی جملے کو تین بار دہراتے تاکہ اس کی اہمیت اجاگر ہو۔ آپ کو اس بات کا ڈر رہتا تھا کہ کہیں ان کی گفتگو سننے والوں کے ذہنوں سے اترنے کے بجائے ان کے اوپر سے ہی نہ گزر جائے۔

آپ خطبوں میں سجع بندی کا التزام نہ کرتے الّا یہ کہ روانی کلام میں خود بخود واقع ہو جاتی اور یہ اس لیے کہ سجع بندی اختیار کرنے سے کلام میں تکلف در آتا ہے اور وضاحت کا پہلو جاتا رہتا ہے۔

آپ کبھی اپنے خطبے کو طویل نہ کرتے کہ کہیں لوگ اُکتا نہ جائیں اور خیر خواہی ونصیحت کی باتوں سے مستفید نہ ہو سکیں بلکہ آپ اختصار کو اختیار کرتے تاکہ لوگ آپ کی بات ہشاش بشاش ہو کر نہایت غور سے سنیں۔

آپ کا ارشاد ہے:

"کسی شخص کا نماز کو طویل کرنا اور خطبے کو مختصر کرنا اس کی دانشمندی ہے"۔

خطبات رسول ﷺ اپنے اختصار کے باوجود حکمت و دانش اور بہترین نصائح سے معمور ہوتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے جامع جملوں اور ایسے کلمات پر مبنی ہوتے جو آپ کی زبان مبارک سے ادا ہوتے ہی ضرب المثل بن جاتے۔

جمعہ کے علاوہ کسی بھی روز بتقاضائے وقت خطبے کو طویل بھی فرما دیتے تھے جیسا کہ ایک روز آپ عصر کے بعد خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو غروب آفتاب تک جاری رکھا۔

خطبہ کا آغاز حمد و ثناء سے کرتے بعد ازاں تشہد پڑھتے اور اما بعد کہہ کر حکمت و موعظت کی گفتگو فرماتے تھے۔ خطبے کے دوران کسی کی نماز قضاء ہونے کا خدشہ ہوتا تو خطبہ روک کر اسے فریضہ ادا کرنے کی ہدایت فرماتے۔

ایک شخص جمعہ کے روز آپ کے خطبے کے دوران آیا تو آپ نے اس سے فرمایا: اے فلاں تو نے نماز پڑھ لی، اس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا: اُٹھ اور رکوع کر، یہ کہہ کر آپ نے پھر سے خطبہ شروع کیا، بعض اوقات کوئی بات سمجھاتے ہوئے اشارہ فرماتے جیسا کہ ایک خطبے میں فرمایا: میں اور قیامت ان دونوں کی طرح بھیجے گئے ہیں اور اس کے ساتھ ہی آپ نے اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ساتھ ملایا۔

روایت ہے کہ آپ دعا کرتے وقت اور اللہ کا ذکر کرنے کے دوران انگشت شہادت کے ساتھ ارشاد فرماتے۔

موضوع گفتگو اور موقع کے مطابق آپ پر ڈر اور غضب کے آثار ہویدا ہو جاتے تھے۔

بعض اوقات خطبہ ارشاد فرماتے وقت آنکھیں اس قدر سرخ ہو جاتیں اور غضب کے آثار اس طرح چہرے پر ظاہر ہو جاتے کہ جیسے کوئی لشکر کو چوکنا کرنے والا ہوتا ہے

خطبہ دینے سے پہلے آپ لوگوں کے حال کو بھانپ کر اس کے مطابق گفتگو فرماتے، آپ انہیں خیر کی طرف بلاتے جس سے انہوں نے دوری اختیار کی ہوئی تھی یا انہیں برائی سے ڈراتے تھے جس کے وہ قریب آ چکے ہوتے تھے۔

انہ لیغان علی قلبی کی تفسیر

قول رسول ﷺ ہے:

انہ لیغان علی قلبی فاستغفر اللہ کل یوم مائۃ مرۃ وفی طریق فی الیوم اکثر من سبعین مرۃ

''میرے قلب پر ایک بادل سا چھا جاتا ہے تو میں ہر دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں اور ایک روایت میں ستر بار کا ذکر ہے''۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں:

اس خیال سے بچو کہ آپ اس بادل کو وسوسہ یا شک سمجھیں بلکہ غین کا اصل مفہوم یہ ہے کہ وہ چیز جو دل کو ڈھانپ لے۔

ابو عبید کہتے ہیں:

غین سے مراد غین السماء ہے۔

بعض علماء نے کہا:

غین (بادل) سے مراد ایسی شے ہے جو دل کو پوری طرح نہ ڈھانپے بلکہ وہ ایسے ہلکے بادل کی قسم ہے جو سورج کے سامنے آ جائے تو اس کی روشنی اس سے گزر جائے۔

غین (بادل) سے مراد رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر کا وہ سہو ہے جو انسانیت کے دکھ اٹھانے، امت کو ہدایت کرنے، دشمنوں کا مقابلہ کرنے اور پیغام الٰہی کو خلق تک پہنچانے جیسی ذمہ داریوں کے باعث لاحق ہو جاتا تھا۔ اگرچہ یہ سب امور بھی اطاعت خداوندی کی خاطر تھے تاہم آپ اللہ کے نزدیک انتہائی اعلیٰ درجے و مقام پر فائز ہونے کے باعث یہ چاہتے تھے کہ آپ خلق کے مسائل درست کرتے ہوئے بھی بعض اوقات یہ سمجھتے تھے کہ آپ ماسوا اللہ میں مشغول ہو گئے ہیں اور یہ ایک طرح کا بادل بن کر آپ کے قلب انور پر چھا جاتا تھا تو آپ استغفار کرتے تھے۔

اکثر علماء اسی مفہوم پر متفق ہیں مگر بعض صوفیہ کرام نے اس بات سے آپ کو قطعاً بری سمجھا ہے کہ آپ سے کوئی سہو یا غفلت رافع ہوئی ہو بلکہ وہ یوں کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر پر امور امت کے باعث ایک بادل سا چھا جاتا تھا تو آپ ان کے لیے بخشش طلب فرماتے تھے۔ بعض کا کہنا ہے کہ ''غین'' (بادل) سے مراد وہ سکینت و اطمینان ہے جو آپ کے دل کو ڈھانپ لیتا تھا تو آپ بندگی اور اللہ کے حضور اپنے محتاج ہونے کے اظہار کی خاطر استغفار کرتے تھے اور یہ سکینت وہی ہے جس کا ذکر اللہ نے یوں فرمایا:

فانزل اللہ سکینتہ علیہ

''تو اللہ نے اس پر اپنی سکینت (تسلی) نازل فرمائی''۔

ابن عطار کے مطابق آپ کے استغفار کی وجہ امت کو استغفار کرنے کی طرف رغبت دلانا تھا۔

کسی اور نے کہا: آپ نے اس لیے امت کو استغفار کی طرف متوجہ کیا تا کہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں۔

اس حدیث کا ایک معنیٰ بھی ہو سکتا ہے کہ خشیت و خوف کی کثرت آپ کے دل پر چھا گئی ہو تو آن نے شکر ادا کرتے ہوئے اور حق بندگی بجا لاتے ہوئے استغفار کیا ہو

جیسا کہ آپ نے فرمایا:

میں کیوں نہ اس کا شکر گزار بندہ بنوں''۔

اس حدیث کے بارے میں ہم امام شاذلی کی یہ بات پیچھے ذکر کر آئے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے ان سے فرمایا کہ یہ بادل انوار کا ہے اس کے علاوہ کسی اور چیز کا نہیں۔

سہو مانع فضیلت رسول نہیں

حدیث سہو میں یہ بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھاتے ہوئے دو رکعتوں پر ہی سلام پھیر دیا، ذوالیدین کھڑے ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ: آپ نے قصر کی یا آپ بھول گئے؟ آپ نے فرمایا: نہ بھولا اور نہ قصر کیا۔

ایک اور روایت میں ہے: ''میں نے نماز میں قصر کی اور نہ میں بھولا'' اس حدیث کے ظاہر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دونوں حالتوں کی نفی فرمائی، یعنی آپ نے قصر کی اور نہ بھولے حالاں کہ ان دونوں حالتوں میں سے ایک پر تو آپ تھے، جیسا کہ ذوالیدین نے کہا: ''ان دونوں حالتوں میں سے کوئی ایک حالت تھی یا رسول اللہ''۔

علماء نے اس حدیث سے متعلق کئی جواب دیے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث مبارک میں اپنے پختہ یقین اور ضمیر پر مطلع فرمایا ہے، جہاں انہوں نے قصر کرنے سے انکار کیا تو یہ ظاہری و باطنی دونوں طرح سے تھا اور جہاں آپ نے نسیان سے انکار فرمایا تو اس کے ذریعے آپ نے اپنے پختہ یقین کے بارے میں خبردار فرمایا، یعنی آپ اپنے خیال کے مطابق نہیں بھولے، گویا آپ نے اپنے خیال سے مطلع کیا اگرچہ آپ نے اس کا ذکر نہیں فرمایا میرے خیال میں آپ کا یہ فرمانا کہ ''میں نہیں بھولا'' تو یہ فقط لفظی انکار ہے، آپ نے دراصل اشارہ فرمایا کہ میں نہیں بھولا بلکہ مجھے بھلایا گیا، اس کی ایک نظیر آپ کا وہ قول بھی ہے جب ایک شخص نے یہ سوال کیا کہ آپ فلاں فلاں آیت بھول

گئے تو آپ نے فرمایا: ''تم میں سے اس شخص کے حق میں یہ بات کس قدر بری ہے کہ وہ کہے کہ آپ بھول گئے'' گویا آپ نے یہ کہا کہ مجھے بھلا دیا گیا نہ کہ میں خود بھولا، اسی طرح جب آپ نے یہ فرمایا کہ میں نے نماز میں قصر نہیں کی اور میں نہیں بھولا بلکہ بھلا یا گیا تا کہ میری اس میں پیروی کی جائے جیسا کہ موطا امام مالک میں ہے'' بے شک میں بھولتا ہوں بھلا یا جاتا ہوں تا کہ میری اس میں پیروی کی جائے'' اور ایک روایت میں ہے میں (کوئی چیز) بھولتا نہیں بلکہ مجھے بھلا دی جاتی ہے اور یہ حدیث جس میں آپ نے فرمایا، ''بلاشبہ میں تمہارے جیسا انسان ہوں میں بھول جاتا ہوں جیسا کہ تم بھول جاتے ہو، ہرگز اس حدیث سے نہیں ٹکراتی جس میں آپ نے اپنے نسیان کی نفی کی ہے کیوں کہ بدنظمی نفی ہے، اس سے نسیان کی کلی نفی نہیں، لہٰذا دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔

کھجوروں کی پیوند کاری سے متعلق رسول اللہ ﷺ کا موقف

کھجوروں کی پیوند کاری کا واقعہ یوں ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک قوم کے پاس سے گزرے جو نر کھجوروں کا شگوفہ مادہ کھجور میں منتقل کر رہے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرتے تو درست ہوتا۔

نتیجہ کھجور ردی پیدا ہوئی، تو آپ پھر وہاں سے گزرے اور پوچھا: تمہاری کھجوروں کو کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا آپ نے ہی یہ کہا تھا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے امور دینوی کو زیادہ جانتے ہو۔

اس حدیث سے بعض لوگوں کو یہ خیال گزرا کہ رسول اللہ ﷺ دنیا کے معاملات میں غلطی کر سکتے ہیں اور وہ اپنی بات منوانے کے لئے کہتے ہیں کہ آپ نے فلاں فلاں امر میں غلطی کی۔

حق بات تو یہ ہے کہ حق کی پیروی کی جائے وہ یہ کہ آپ کے اقوال وافعال ایک دوسرے کی وضاحت کرتے ہیں اور آپ کے بعض اقوال وافعال باہم وگر مشابہ بھی ہوتے ہیں، بلاشبہ اللہ جل ذکرہ نے آپ کی ذات بابرکات کو ارادہ اور غیر ارادی دونوں طرح کی خطا کرنے سے محفوظ فرمایا، بہر حال ہم اس بحث پر کلام کرتے ہیں اور توفیق دینے والی ذات اللہ کی ہے۔

پہلی بات اس ضمن میں یہ ہے کہ سید الرسل ﷺ اس زمین پر پروان چڑھے جو کھجور کی فصل کے مراکز ہیں، آپ نے جس قوم میں تربیت پائی وہ کھجور کاشت کرنے سے متعلق پورا علم رکھتے تھے اور کھجوروں کے درختوں کی حفاظت، پیوندکاری اور کاشت کے بارے میں رائج طریقوں سے کما حقہ باخبر تھے، ایسے میں آپ کے بارے میں یہ کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ آپ کو کھجور کی کاشت، پیوندکاری، کے بارے فصل کو بہتر بنانے کے زرعی اصولوں سے آگاہی حاصل نہ تھی خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ پیوندکاری کا عمل کھجوروں کی کاشت کے ضمن میں کوئی سربستہ راز یا نادر علم نہ تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ بھی اسی معاشرے سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کو بھی کھجور کی فصل سے متعلق وہ تمام معلومات حاصل تھیں جو آپ کے علاقے کے دیگر لوگ رکھتے تھے مگر آپ نے انہیں پیوند کاری سے اس لئے روکا کہ آپ ان پر ایک ایسی بات منکشف کر دیں جو وہ از خود حاصل نہ کر سکتے تھے۔

دوسری بات یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے جملہ علوم وفنون سے بہرور فرمایا تھا اور آپ ان میں سے اکثر صحابہ کرام کو بتاتے رہتے تھے اور ہر شے کے بارے میں ان سے بحث بھی فرماتے تھے جیسا کہ طبرانی نے ابوداؤد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا: انہوں نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو چھوڑا تو اس وقت تک ہوا میں پر پھیلانے والے ہر پرندے کے بارے میں ہمیں معلومات فراہم کر چکے تھے، اس حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے اندازہ لگائیے کہ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ آپ سے کھجوروں کی پیوندکاری اور اس کے فوائد پوشیدہ ہوں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی بات کا منتہائے مقصود ہی اور تھا۔

ثالثاً: رسول اللہ ﷺ کا پیوندکاری سے روکنے میں کوئی اور مقصد پنہاں تھا اس امر کی طرف ہماری رہنمائی وہ احادیث بھی کرتی ہیں جن میں اسی طرح کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

مثلاً یہ حدیث: ناولنی الذراع

پوری حدیث یوں ہے: مسند میں ابورافع قبطی رسول اللہ ﷺ کے غلام سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ آپ کے لئے بھنی ہوئی بکری تیار کر کے پیش کی گئی، تو آپ نے فرمایا: اے ابورافع: اس کا ایک دست مجھے دو میں نے ایک دست انہیں پیش کر دیا آپ نے پھر ایک دست طلب فرمایا، میں نے حسب سابق پیش کر دیا، آپ نے تیسری بار پھر طلب کیا تو میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! بکری کے تو دو ہی دست ہوتی ہیں، اس پر آپ نے فرمایا: اگر ابورافع خاموش رہتا تو وہ مجھے دست دیتا جاتا جب تک کہ میں اس سے مانگتا جاتا، ابورافع کہتے ہیں کہ آپ کو بکری کا دست بہت پسند تھا۔

مجمع الزوائد میں احمد اور طبرانی نے کئی طرف سے اسی حدیث کو روایت کیا ایک روایت کے مطابق ابورافع نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے بکری بھوننے کا حکم دیا اور میں نے ان کے لیے تیار کی۔

ابوعبید سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک ہانڈی میں گوشت پکایا آپ نے فرمایا: مجھے اس میں سے بکری کا دست دے دو میں نے پیش کر دیا، آپ نے دوبارہ طلب فرمایا، میں نے پیش کر دیا، سہ بارہ طلب فرمانے پر میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ایک بکری کے کتنے ہاتھ ہوتے ہیں تو آپ نے فرمایا: خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر خاموش رہتا تو اس وقت تک مجھے ایک ہاتھ ملتا رہتا جب تک کہ میں طلب کرتا، یہ واقعہ اس واقعہ کے علاوہ ہے جو اوپر گزر چکا جیسا کہ زرقانی وغیرہ نے اس بارے میں خبردار کیا۔

مجمع الزوائد ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ سالم بن عبداللہ کی مجلس میں بنوغفار کے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ مجھ سے فلاں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روٹی اور گوشت پیش کیا گیا، آپ نے فرمایا: مجھے بکری کا ہاتھ دو، آپ کو پیش کر دیا گیا، آپ نے تناول فرمایا، دوبارہ طلب فرمایا، پیش کیا گیا اور آپ نے تناول فرمایا، تیسری بار طلب فرمایا تو عرض کیا یا رسول اللہ دو ہی ہاتھ تھے، آپ نے فرمایا: اگر تم خاموش رہتے تو میں اس میں جس قدر مانگتا جاتا اسی قدر حاصل کرتا جاتا، اس کو احمد نے روایت کیا مگر راوی کا نام مذکور نہیں۔

سید الکونین علیہ افضل التحیہ والسلام کا باوجود یہ جاننے کے کہ بکری کے دست دو ہی ہوتے ہیں، تیسری بار تیسرا دست طلب فرمانا بلاشبہ آپ کا معجزہ ظاہر فرمانے کا ادارہ تھا مگر جب دیکھا کہ معجزے کا محل نہیں تو ظاہر نہیں فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ زرقانی نے رسول اللہ ﷺ کے قول کی تشریح یوں کی کہ آپ نے فرمایا اگر تم خاموش رہتے تو مجھے دست پر دست دیتے رہتے جب تک کہ تم خاموش رہتے کیوں کہ اللہ تعالیٰ

آپ کے معجزہ کے طور پر دست پر دست پیدا کرتا جاتا مگر دینے والے کی عجلت جو کہ انسا کی فطرت میں ہے نے اسے یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ بکری کے دو دست ہوتے ہیں اور مدد رک گئی کیوں کہ یہ تو ایک سلسلہ تھا جو اللہ کی طرف سے جاری رکھا جانا تھا صرف اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ جو کہ کائنات کا انتخاب ہیں ان کی فضیلت وعزت مقصود تھی ، اگر دینے والا ادب کے ساتھ خاموش آپ کی پسند پر بکری کا دست پیش کرتا جاتا تو یہ اس کی طرف سے اظہار شکر ہوتا جو اس کے ہاتھ پر اس سلسلے کو جاری رکھنے کا سبب بن جاتا مگر اس نے مدد خداوندی کے سلسلے کا اپنی جانب سے بصورت انکار سامنا کیا جس پر کرم کی وہ لہر واپس چلی گئی کیوں کہ اسے پذیرائی نہ ملے اور اس عظیم معجزے کا مشاہدہ فقط اسی کو ہوسکتا تھا جس میں تسلیم کی خصوصیت کا دل ہوتی اور اس میں اپنی طرف سے کوئی ادنیٰ سا شائبہ تک بھی نہ ہوتا۔

اسی طرح آپ نے کھجوروں کی پیوند کاری سے اسی لیے روکا تا کہ آپ پیوند کاری کرنے والوں کا اکرام فرماتے ہوئے ان کے لئے ایسا معجزہ ظاہر فرماتے جو کھجور کے درختوں کی پیوند کاری کے ذریعے اصلاح کے عام قاعدے کو توڑ دیتا اور انہیں بغیر پیوند لگانے کے مقصد حاصل ہو جانے کی سہولت مل جاتی، اس کے باوجود کہ آپ کو یہ علم تھا کہ کھجور کے درختوں کو پیوند کاری کی ضرورت عام قاعدے کے مطابق ہوتی ہی ہے کیوں کہ آپ بھی ان کی طرح ان کے تمام امور کو جانتے تھے مگر جیسا کہ اس قوم میں سے کچھ افراد کے دل اس بات پر پوری طرح مطمئن نہ تھے کہ اگر تم یہ پیوند کاری نہ کرتے تو درست تھا بلکہ وہ اپنے خیال میں اپنی ان دینوی رائج معلومات پر ہی قائم رہے جو فن زراعت سے متعلق تھے اور ان کے ذہن اس بات پر اٹل تھے کہ کھجوروں کی اصلاح کا دارومدار فقط پیوند کاری پر ہوتا ہے لہٰذا کرم نبوی نے اپنے شایان شان محل نہ پایا تو لوٹ گیا اور یہی وجہ تھی کہ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے انہیں انہی اسباب کی طرف لوٹ جانے کو کہا جو ان کے ہاں رائج اور راسخ تھے اور آپ نے ان سے فرمایا: تم اپنے دنیا کے امور بہتر جانتے ہو یعنی اپنے دینوی مسائل کے سلسلے میں اپنی معلومات کے تقاضے نبھاؤ۔

یہاں ہم اپنے اس موقف کہ آپ نے اس معاملے میں قطعاً خطا نہیں کی بلکہ آپ اپنی جگہ درست تھے اس کی تائید اور دلیل کے طور پر شیخ عارف باللہ صاحب ابریز علیہ الرحمۃ کی وہ گفتگو نقل کرتے ہیں جو انہوں نے اس سلسلے میں سوال کیے جانے پر فرمائی:

آپ کا ارشاد ہے: رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کہ: اگر تم یہ پیوند کاری نہ کرو تو بہتر رہے گا، حق اور سچ ہے اور آپ کی زبان مبارک سے یہ قول آپ کے اس یقین کے باعث ادا ہوا کہ فاعل حقیقی بالاطلاق اللہ جل شانہ کی ذات والا صفات ہے اور آپ کا یہ حتمی یقین فعل الٰہی کے تمام ممکنات میں براہ راست جاری ہونے کے مشاہدے پر مبنی تھا کیوں کہ ہر ذرے کے سکون ، ہر بال کی حرکت، ہر دل کی دھڑکن، ہر رگ کا پھڑکنا، ہر آنکھ کا کھلنا بند ہونا، ہر ابرو کے اشارے کا فاعل حقیقی براہ راست اللہ ہے اور اس امر کو اور اس کے علاوہ تمام محسوسات کو رسول اللہ ﷺ مشاہدہ کرتے ہیں اور مشاہدے کی یہ کیفیت، بیداری اور خواب دونوں حالتوں میں بدستور آپ کو حاصل رہی ہے کیوں کہ آپ کا قلب اس مشاہدہ سے سے شادکام ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کا دل جاگتا رہتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے مشاہدے کی نظر سے اسباب غائب ہوجاتے ہیں اور وہ غیب پر ایمان رکھنے کی منزل سے ترقی کرتا ہوا شہود و عیان کی طرف جا نکلتا ہے اور قول باری تعالیٰ:

واللہ خلقکم وماتعملون

''اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو''۔

مصداق اس کے ہاں ایک دائمہ مشاہدہ جاری رہتا ہے جو غائب نہیں ہوتا اسے یقین کی ایسی کیفیت حاصل ہوتی ہے جو اس مشاہدے کے لائق ہو اور وہ مذکورہ آیت پر اس جزم و یقین کے ساتھ ایمان رکھتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ کے سوا کسی اور کی طرف کسی فعل کی نسبت کا خیال تک نہیں گزرتا چاہے یہ خیال چیونٹی کے سر کے برابر کیوں نہ ہو۔

اس میں شک نہیں کہ ایسا حتمی یقین جس کی کیفیت یہ ہو وہ سارے اسباب کو ختم کر دیتا ہے اور اشیاء اس سے متاثر ہوتی ہے اور یہ سر الٰہی ہے جس کے ساتھ کوئی سبب باقی رہتا ہے اور نہ کوئی واسطہ ایسے مقام پر فائز ہونے والا اسباب کو ختم کر دیتا ہے اور اشیاء اس سے متاثر ہوتی ہیں اور یہ سر الٰہی ہے جس کے ساتھ کوئی سبب باقی رہتا ہے اور نہ کوئی واسطہ ایسے مقام پر فائز ہونے والا اسباب کے ساقط ہوجانے کی طرف اشارہ کرے اور فعل کی نسبت رب الارباب کی جانب کرے تو اس کا قول حق اور اس کا کلام صادق ہوتا ہے۔

جو ایمان بالغیب رکھتا ہو وہ قول باری تعالیٰ ''واللہ خلقکم وما تعملون'' میں مشاہدے کا حامل نہیں ہوتا بلکہ وہ افعال کی نسبت اس کی طرف کرتا ہے جس کے ہاتھ سے اسے صادر ہوتے دیکھتا ہے اسے اگر اس آیت کے معنیٰ اور فعل کو اللہ سے منسوب کرنے کی طرف کوئی چیز کھینچتی ہے تو وہ فقط اس کا وہ ایمان ہے جو اسے اللہ نے بخشا ہوتا ہے گویا اس کے ہاں دو جاذب قوتیں ہوتی ہیں ایک اس کے رب کی طرف سے اس کا ایمان جو اسے حق کی طرف کھینچتا ہے اور دوسری جاذب قوت اس کی اپنی طبیعت سے ہوتی ہے اور وہ فعل کو غیر سے مشاہدہ کرنا ہوتا ہے جو اسے باطل کی طرف لے جاتا ہے الغرض وہ ہمیشہ انہی دو چار قوتوں کے درمیان ہی رہتا ہے کبھی اس کے ایمان کی جاذب قوت اس قدر مضبوط ہوتی ہے کہ وہ اس آیت کو ''واللہ خلقکم'' کے ساتھ ایک یا دو ساعت حاضر رہتا ہے اور کبھی اس کی طبعی جاذب قوت اس قدر قوی ہوتی ہے کہ وہ اسے ایک یا دو دن تک آیت مذکورہ کے مفہوم سے غافل رکھتی ہے اور غفلت کے اس عرصے میں خارق عادت یقین منفی ہوجاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجور کی پیوند کاری نہ کرنے کی نظر صورت میں فصل کی جس بہتری کی طرف اشارہ فرمایا تھا وہ واقع نہ ہوئی کہ صحابہ کی جماعت کے افراد کا وہ خارق یقین اس وقت موجود نہ تھا جس کا رسول اللہ ﷺ احاطہ کر چکے تھے اور جس کی وجہ سے آپ کی زبان وحی ترجمان سے یہ کلام حق ادا ہوا تھا۔

جب آنحضرت ﷺ نے جو کچھ اس سے کہا اس کے واقع ہونے میں علت دیکھی اور یہ جان لیا کہ یہ علت ان صحابہ کے بس کا رگ نہیں تو اس وقت انہیں ان کی حالت پر باقی رہنے دیا اور فرمایا تم اپنے دنیوی معاملات کو زیادہ جانتے ہو

بہر حال یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ آپ نے کھجوروں کی پیوند کاری کے بارے میں خطا کی جیسا کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ نے ابوعبید سے تیسری بار بکری کا دست طلب کرنے میں غلطی نہیں فرمائی۔

اس میں شک نہیں کہ آپ کا یہ قول صحیح تھا اور آپ کا ارادہ تھا کہ صحابہ کی اس جماعت کو خرق عادت کے

ذریعے صاحبان برکت وفضیلت بنادیں مگر کسی مانع و عارض کے درمیان میں آجانے کے باعث یہ خرق عادت بجائے ظاہر ہونے کے پیچھے چلی گئی۔

اسی طرح کا ایک واقعہ وہ ہے جب کہ ام مالک کے برتن سے برکت چلی گئی، جس میں آپ نے برکت ڈال دی تھی جب کہ اس نے برتن کو خالی کرلیا تھا تو پھر اس سے گھی کا سلسلہ رک گیا صحیح مسلم میں جابر کی روایت سے یہ قصہ یوں ہے کہ ایک انصاری خاتون ام مالک گھی کے ایک ڈبے میں سے کچھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرتی تھیں اس کے بیٹے گھی مانگتے تو وہ اسی ڈبے میں سے دیتی رہتیں اور گھی اس وقت تک ختم نہ ہوا جب تک کہ اس نے سارا ڈبہ انڈیل نہ لیا۔ انڈیل لینے پر وہ گھی ختم ہوگیا تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے سارا ماجرا بیان کیا، آپ نے فرمایا تو نے اسے سارا انڈیل لیا ام مالک نے کہا ہاں آپ نے فرمایا: اگر تو اس کو پوری طرح انڈیل کر نچوڑ نہ لیتی تو گھی بدستور موجود رہتا۔

مسلم نے جابر سے روایت کیا کہ ایک بدوی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کھانا مانگا: آپ نے نصف دسق کے برابر جو اسے عطا کیے وہ شخص اس کی بیوی اور اس کے مہمان اس میں سے کھاتے رہے تا آنکہ ایک روز اس نے ان کا وزن کر لیا تو وہ کم ہونا شروع ہوگئے اس نے آنحضرت ﷺ سے جو کم ہونے کی شکایت کی، آپ نے فرمایا: اگر تم انہیں نہ تولتے تو ساری زندگی ان میں سے کھاتے رہتے مگر وہ ختم نہ ہوتے گویا وزن کرنا اس مدد کے کم ہونے کا باعث تھا۔

امام نووی علیہ الرحمۃ نے اوپر کے دونوں واقعات کی شرح کرتے ہوئے فرمایا:

علمائے کرام کہتے ہیں کہ ام مالک انصاریہ کا گھی کے ڈبے کو نچوڑ لینا اور بدوی کا جو کو تول لینا اللہ کے رزق عطا فرمانے کے فعل پر توکل وتسلیم اختیار کرنے کی ضد ہے اور اس میں اپنی کوشش وقوت کے ذریعے تدبر کرتے اور اخذ کرنے کا عمل موجود ہونے ساتھ اللہ کے حکم اور فضل کے اسرار کا احاطہ کرنے کی کوشش بھی کارفرما تھی لہٰذا ایسا کرنے والے کو فضل الٰہی کے زائل ہوجانے کی سزا دی گئی۔

حافظ زرقانی کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا حدیث کا اس حدیث کہ اپنے طعام کو وزن کرلو، تمہارے لیے اس میں برکت ہوگی سے کوئی تعارض نہیں کیوں کہ ضرورت سے زائد یا کم نہ ہو یا یہ کہ چیزوں کو فروخت کر کے اور گھر میں لے جاتے وقت وزن کرلو یہ خیانت کے خدشے کے پیش نظر کہا گیا یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ تم خرچ کے لیے نکالو اسے تول لو۔

اہل وعیال کیساتھ سلوک رحمت

مسلم نے اپنی صحیح میں عمرو بن سعید سے اور انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر اہل وعیال کے ساتھ کوئی رحم کرنے والا نہیں دیکھا، انس کہتے ہیں کہ آپ کے فرزند ابراہیم مدینہ کے نواح میں پرورش پاتے تھے، آپ ہمارے ساتھ وہاں تشریف لے جاتے تھے، گھر کے اندر سے دھواں اٹھتا رہتا تھا، کیوں کہ ابراہیم کو دودھ پلانے والی خاتون پیشے کے لحاظ سے لوہار تھیں، آپ اپنے بیٹے ابراہیم کو اٹھاتے، بوسہ دیتے اور واپس آجاتے، جب ابراہیم کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابراہیم میرا بیٹا دودھ پینے کے زمانے ہی میں انتقال کر گیا اور اب دو دایاں جنت میں اس کی مدت رضاعت پورا کرنے پر متعین ہیں۔

اپنے اہل وعیال کے ساتھ مہربانی وحسن سلوک کا یہ عالم تھا کہ ان کے ساتھ گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے تھے۔

اسود کہتے ہیں میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا، نبی کریم ﷺ اپنے گھر میں کیا کرتے تھے، ام المومنین نے جواباً فرمایا: آپ گھر کے کاموں میں لگے رہتے تھے تا آنکہ نماز کا وقت ہوتا تو اٹھتے، آپ جابر قسم کے مردوں میں سے نہ تھے بلکہ اکثر اپنے کام خود کیا کرتے تھے۔

مسند احمد اور دیگر حدیث کے مجموعوں میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ اپنے کپڑے خود سی لیا کرتے تھے، اپنا جوتا مرمت کر لیتے تھے اور وہ سارے کام کر لیتے تھے جو مرد اپنے گھروں میں کرتے ہیں۔

حیوانات پر فیضان رحمت

آپ حیوانات سے مہربانی اور نرمی سے پیش آنے کی تلقین فرماتے تھے، مالک کو اپنے جانوروں کو ایذا پہنچانے، تیز ہانکنے، مسلسل بوجھ لاد کر تھکانے اور کسی طرح کا عذاب دینے سے منع فرماتے تھے۔

آپ ایک اونٹ کے قریب سے گزرے جس کا پیٹ شدت بھوک سے پیٹھ سے لگا ہوا تھا، آپ نے اس موقع پر فرمایا: ان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرو ان پر سواری کرو اگر وہ سواری کے قابل ہوں اور وہ کھانے کے قابل ہوں تو کھاؤ۔

ایک روز آپ ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے، وہاں ایک اونٹ چر رہا تھا، جب اونٹ نے آپ کو دیکھا تو بلبلانے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آپ نے اس کے قریب جا کر اس کے آنسو پونچھے، اونٹ خاموش ہوگیا، پھر آپ نے پوچھا، اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ تو ایک انصاری نوجوان حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے اس سے کہا: کیا تو اس جانور کی بابت اللہ سے نہیں ڈرتا جس نے تجھے اس کا مالک بنایا ہے، اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تو اسے تیز ہنکاتا اور تکلیف دیتا ہے یعنی تو اسے زیادہ کام لے کر تھکاتا ہے اور اس کی طاقت سے زیادہ اسے استعمال میں لاتا ہے۔

آپ نے بلاضرورت جانوروں کو کھڑا کر کے ان پر دیر تک بیٹھے رہنے سے منع فرمایا، کچھ لوگ اپنی سواریوں کو کھڑا کر کے ان پر بیٹھے ہوتے تھے کہ آپ وہاں پہنچے تو ان سے فرمایا: ان پر صحیح حالت میں سوار ہو اور اسی حالت میں انہیں چھوڑو، انہیں بازاروں اور گلیوں میں بات چیت کے لئے بطور کرسیوں کے استعمال نہ کرو کیوں کہ کئی سواریاں اپنے سے بہتر ہوتی ہیں اور ان سے بڑھ کر اللہ کا ذکر کرتی رہتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے مینڈک مارنے سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے ان کا ٹرانا اللہ کی تسبیح ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ایک عورت کو اس وجہ سے جہنم میں داخل کیا گیا کہ اس نے بلی کو باندھے رکھا، نہ اسے خود کھانے کو دیا اور نہ اسے زمین پر گری پڑی چیز کھانے دی۔

آپ نے جانوروں کو لڑانے بھڑانے پر اکسانے سے منع فرمایا۔ آپ اس بات سے ڈراتے تھے کہ انسان پرندوں کو ان کے بچوں کو اذیت پہنچائیں۔ جب کسی نے ایک چھوٹے سے سرخ پرندے کے دو بچے پکڑ لیے اور وہ چیخ وپکار کرتا آیا تو آپ نے فرمایا کس نے اس کے دونوں بچے پکڑ کر اسے تکلیف پہنچائی ہے؟ اس کے دونوں بچے واپس کرو۔ آپ نے شہد کی مکھیوں کا ایک چھتہ دیکھا، جنہیں کسی نے آگ سے جلایا تھا تو فرمایا انہیں کس نے آگ سے جلایا، لوگ کہنے لگے ہم

نے ،فرمایا: آگ سے جلانے کا حق صرف آگ کے پیدا کرنے والے کو حاصل ہے۔

روایت ہے کہ آپ نے بلا وجہ پرندوں کو عبث مارنے سے روکا ہے جیسا کہ آپ کا قول ہے: جس نے چڑیا کو ہلاک کیا تو وہ قیامت کو اللہ کے حضور فریاد کرے گی کہ فلاں نے مجھے عبث ہلاک کیا اور مجھے اپنے فائدے کے بغیر قتل کیا۔

حیوانات کو ذبح کرتے وقت نرمی اور سہولت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ کسی نے بکری کو ذبح کرنے کے لیے لٹایا اور خود چھری کی دھار تیز کرنے بیٹھ گیا تو اس سے فرمایا: کیا تم اسے دوبارہ مارنا چاہتے ہو۔ اسے ذبح کرنے کے لئے زمین پر لٹانے سے پہلے دھار کر کیوں تیز نہیں کیا۔

اسی طرح آپ نے حیوانات کو تیر اندازی کا نشانہ بنانے سے منع فرمایا۔

دشمن کو ڈرانے دھمکانے کی تدابیر

آپ کی عسکری و سیاسی بصیرت کا ایک واقعہ یہ ہے کہ جب فتح مکہ کے موقعہ پر آپ وادیٔ فاطمہ میں پہنچے تو حکم دیا کہ ہر مسلمان آگ روشن کرے تا کہ بنو قریش اسے دیکھیں اور اس کی کثرت سے مرعوب ہوں ،تمام مسلمانوں نے دس ہزار مشعل روشن کیں، یہاں تک کہ جب ابوسفیان نے آگ کے اس منظر کو دیکھا تو اس کے دل پر ایک رعب سا بیٹھ گیا اور کہا یہ اتنی زیادہ آگ کیا ہے؟ یہ تو روز عرفہ کی آگ معلوم ہوتی ہے، قریش کی یہ عادت تھی کہ عرفہ کی رات کو بکثرت آگ جلاتے تھے۔

ابوسفیان درحقیقت بدیل بن ورقا کے ساتھ مسلمانوں کی خبر معلوم کرنے آئے تھے، جب انہوں نے جلتی آگ کا منظر دیکھا تو اس نے ان پر بڑا گہرا اثر کیا اور آپس میں خوف اور پریشانی سے بات چیت کرنے لگے، اسی رعب کا نتیجہ تھا کہ بعد میں ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے اور اہل مکہ کے لیے پناہ طلب کی۔

یہ بھی آپ کی ایک عظیم سیاست تھی کہ آپ نے اس موقع پر اعلان فرما دیا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا وہ امن میں رہے گا۔

آپ نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ ابوسفیان کو ایک تنگ پہاڑی گھاٹی میں روکے رکھو تا کہ اللہ کے لشکر اس کے سامنے سے گزریں تو وہ انہیں دیکھے، حضرت عباس نے حکم کی تعمیل کی ،مسلمانوں کے لشکر کے لشکر مختلف قبائل کی صورت میں اپنے اپنے پرچم اٹھائے گزرتے گئے ۔جونہی کوئی قبیلہ گزرتا تو ابوسفیان حضرت عباس سے پوچھتا یہ کونسا قبیلہ ہے؟ حضرت عباس نے فرمایا سلیم ابوسفیان نے کہا: مجھے ان سے کیا غرض۔ پھر ایک اور قبیلہ گزرا، ابوسفیان نے کہا یہ کون ہے، میں نے کہا مزینہ، ابوسفیان کہنے لگا مجھے ان سے کیا: تا آنکہ قبائل سارے گزر گئے اور وہ اسی طرح پوچھتا رہا اور آخر میں جب رسول اللہ ﷺ اپنے مخصوص دستے خضراء کے ساتھ مہاجرین وانصار میں اسی طرح گزرے کہ ان میں ہر طرف ہتھیار ہی ہتھیار نظر آتے تھے، اس کثرتِ اسلحہ کی وجہ سے اس دستے کو خضراء کہتے تھے تو ابوسفیان نے کہا سبحان اللہ: اے عباس یہ کون ہیں میں نے کہا یہ رسول اللہ ہیں جن کے ساتھ مہاجرین وانصار ہیں، ابوسفیان نے کہا ان کے مقابلے کی کسی کو طاقت نہیں۔

اسی طرح آپ ﷺ نے بنونضیر کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا وہ آپ کی سیاسی صلاحیت کا مظہر ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ جب بنونصیر اپنے قلعوں میں قلعہ بند ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا اور ان کے کھجور کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا۔ آپ نے ان میں سے کچھ کو جلوا دیا تھا اور کچھ باقی چھوڑ دئے تھے۔ اور قرآن آپ کے اس اقدام کی صحت پر یوں گویا ہے:

ما قطعتم من لینة او ترکتمو ھا قائمة علی اصولھا فباذن اللہ

''جو درخت تم نے کاٹے یا ان کی جڑوں پر قائم چھوڑ دیے یہ سب اللہ کی اجازت سے تھا''۔

سچے قصص کے ذریعے تعلیم وتربیت کا نبوی طریق

حضور سرور کونین سید الثقلین محمد مصطفی احمد مجتبیٰ علیہ الف الف تحیۃ والسلام، امت کی تربیت میں ایک سے ایک بہتر طریق اور مؤثر انداز استعمال فرماتے اور انہی طریقوں میں سے ایک طریق یہ تھا کہ آپ کوئی قصہ سناتے اور اس کے ذریعے اسلام کے اساسی فکر اور دیگر مسائل کو واضح کرتے ،آپ اس طریق سے لوگوں کو ایمان باللہ، توحید، صبر، صدق، فضیلت توبہ، توکل اور رضا جیسے بلند مضامین کو واقعات کی روشنی میں بیان فرماتے اور ان کے حوالے سے یہ جہاں فرماتے کہ کس طرح سابقہ امتوں میں سے اہل توحید کو اللہ کی راہ میں عذاب دیے جاتے تھے۔ پھر ان کے وسیلے سے لوگوں کے ساتھ معاملات، والدین کے ساتھ احسان، صلہ رحمی، اور کمزوروں کی خبر گیری پر لوگوں کو ابھارتے، آپ جو قصہ بھی سناتے وہ سچ پر مبنی ہوتا اور سچے لوگوں کے بارے میں ہوتا، کیوں کہ بیان کرنے والا ہی صادق ومصدق ہوتا جو اپنی طرف سے کچھ نہ کہتا وہ وحی الٰہی ہوتی۔

شریعت اسلامیہ اور انسانی زندگی

ہماری شریعت مطہرہ، بحمد للہ ہر زمانے کا ساتھ دیتی ہے، ہر دور کے لیے درست اور انسانی زندگی کے ساتھ ساتھ متحرک رہتی ہے۔ اس کے اصولوں میں قوانین وضع کرنے کی ایسی مکمل صلاحیت موجود ہے جو کامیاب انسانی معاشرت کے لئے مکمل ضابطے مرتب کرنے میں ہماری مدد کرتے ہیں اور یہ قوانین ہر ماحول اور ہر دور میں خوشگوار زندگی کی ضمانت دیتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ کو جب نافذ کرنے کا موقع دیا گیا تو اس نے اپنی قدرت وصلاحیت کا ثبوت دنیا کو فراہم کیا اور اسلامی شریعت کے نفاذ کا زمانہ ایسا مبارک دور تھا جس میں انصاف پھلا پھولا، انسانی شرف کو تقویت ملی اور ایسی روشن مثالیں قائم ہوئیں جن سے مستقبل کے معاشروں کے لیے مجدو خیر کے راستے روشن ہوئے اور اس نے ایسے افراد تیار کیے جنہوں نے دنیا کو ظلم، جہالت اور اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالا۔

دوسری اقوام جن کے ہاں اسلام کے برعکس نظام رائج ہیں وہ بھی اس شریعتِ کاملہ کی بلندی اور کمال کا اعتراف کرتی ہیں کیوں کہ جب یہ قومیں اپنے قوانین اور ضابطوں میں بعض کو چھوڑنے پر مجبور ہوتے ہیں تو شریعت اسلامیہ سے کئی امور میں استفادہ کرتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ میں لوگوں کے تمام مسائل کے حل کی گنجائش موجود ہے، کیوں کہ یہ لوگوں کے وطنوں کی دوری ان کی جداگانہ قومیتوں، مختلف عادتوں اور طبیعتوں کے باوجود ان کے بگڑے ہوئے حالات کی درستگی اور ضروریات کی تکمیل کرنے پر قدرت رکھتی ہے، بلاشبہ اس حقیقت کا انکار سفاہت و نادانی ہے۔

پاک وہند کے جلیل القدر بزرگ

گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

محمد امین شرقپوری

حالات

آپ کا اسمِ مبارک علی تھا۔ والد کا نام عثمان تھا۔ غزنی کے رہنے والے تھے۔ ہجویر اور جلاب غزنی کے ہی دو محلے تھے جن سے آپ کو منسوب کیا جاتا ہے۔ آپ 400ھ یا 401ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب غازی محمود غزنوی ہندوستان پر اپنے ساتویں حملہ کی تیاری کر رہا تھا۔

آپ سلسلہ جنیدیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی سلسلہ کے ایک شیخ کامل کے ہاتھ پر آپ نے بیعت فرمائی ان کے مرشدِ گرامی کا اسمِ مبارک ابوالفضل محمد بن حسین الختفی تھا۔

آپ نے علم کے حصول کی غرض سے کئی ملکوں کا سفر اختیار کیا۔ ہندوستان میں تشریف لانے سے پہلے آپ نے خراسان، ماوراالنہر اور آذر بائیجان وغیرہ مقامات کی سیاحت فرمائی۔

آپ کی دو شادیاں ہوئی تھیں اور دونوں شادیاں آپ کے والدین نے ہی کی تھیں۔ آپ کی پہلی شادی کے بعد جب دوسری شادی ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ خدا نے بارہ برس تک اس آفت سے محفوظ رکھا۔ مگر قسمت نے اسی میں پھر لا کر پھنسا دیا۔ اس سے یہ بات عیاں ہے کہ آپ نے پہلی زوجہ محترمہ کے وفات کے بارہ برس بعد عقد ثانی کیا لیکن خدا کی مرضی یہی تھی کہ دوسری زوجہ محترمہ کا بھی عقد کے سال بھر بعد انتقال ہو گیا۔

آپ کو شعر و شاعری سے بے حد لگاؤ تھا۔ آپ کا ایک دیوان تھا جو آپ کی حیات میں ہی کسی نے چرا لیا تھا۔ اس دیوان کے چوری ہو جانے سے یہ رغبت ختم ہو گئی اور آپ کا شاعرانہ کلام مفقود ہو گیا۔

جب آپ اپنے فن میں مہارت حاصل کر چکے تو آپ کے مرشد نے حکم دیا کہ آپ لاہور جائیں کیونکہ وہاں بندگانِ خدا ان کے فیض سے سیراب ہونے کے منتظر ہیں۔ لیکن چونکہ اس وقت ہندوستان میں آپ کے پیر بھائی حضرت حسین زنجانی موجود تھے اس لیے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے مرشد کی خدمت میں عرض کیا کہ جب میرے پیر بھائی وہاں موجود ہیں تو میرے جانے کی کیا ضرورت؟ لیکن مرشد کا فیصلہ اٹل تھا اور حکم کی بجا آوری ضروری تھی۔ چنانچہ آپ فوراً لاہور کے لیے روانہ ہو گئے۔ آپ نے لاہور میں قدم رنجہ فرمایا ہی تھا کہ آپ کو حسین زنجانی کا جنازہ آتا ہوا دکھائی دیا اور تب آپ کو خیال ہوا کہ مرشد کے حکم میں کیا مصلحت تھی۔

آپ نے لاہور آ کر پہلے اپنی گرہ خاص سے ایک مسجد تعمیر کروائی اور مزدوروں کے ساتھ خود بھی شامل رہے۔ مسجد کی تعمیر کے دوران میں بعض علماء نے حضرت سے کہا کہ اس مسجد کا قبلہ قدرے ٹیڑھا ہے۔ آپ نے اعتراض سن کر پہلے تو کچھ نہیں کہا، البتہ جب تعمیر مکمل ہو چکی تو آپ نے اپنی امامت میں نماز پڑھائی اور معترضین سے پوچھا کہ سامنے دیکھ کر بتلاؤ کہ مسجد کا قبلہ درست ہے یا نہیں۔ یہ کہتے ہی جملہ حاضرین کے سامنے بیت اللہ کی عمارت مقدس آ گئی۔ یہ کرامت لاہور کیا بلکہ سارے ہندوستان میں آپ کی شہرت کا سبب بن گئی۔

اس کے بعد دین حق کی اشاعت کے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ سب سے پہلے پنجاب کا حاکم رائے جو آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ جس کی اولاد آج تک آپ کی خادم چلی آتی ہے۔

اس کے بعد کچھ عرصہ تک حضرت بچوں کو درس دیتے رہے لیکن جب یہ محسوس کرنا شروع کیا کہ اس سے ذہن میں برتری اور حکومت کی بو آ رہی ہے تو آپ نے اس شغل کو بھی ترک کر دیا اور باقی تمام عمر عبادت و ریاضت کے لیے وقف کر دی۔

حضرت نے 465ھ میں وصال فرمایا۔

تعلیمات

حضرت کی تصنیفات علم و معانی کے بیش بہا دفاتر ہیں۔ آپ کی تصنیف ''کشف المحجوب'' کا ذکر کرتے ہوئے دارا شکوہ لکھتا ہے:

''حضرت علی ہجویری را تصنیف بسیار است۔ اما کشف المحجوب، مشہور و معروف است و ہیچ کس را بر آں سخن نیست و مرشدی است کامل، در کتب تصوف، بخوبی آں در زبانِ فارسی کتابے تصنیف نہ شدہ''۔

داتا صاحب کی تعلیمات تو کتنی ہی جلدوں پر محیط ہیں لیکن ذیل میں داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کے چند پہلوؤں کو پیش کیا جاتا ہے۔

علم

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' کی ابتدا ہی علم کے باب سے کرتے ہیں۔ اس میں حضرت نے قرآن حکیم اور احادیث نبوی کی روشنی میں علم کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے بتایا کہ علم ہی کے ذریعے ایک سالک ولی کے درجہ پر فائز ہوتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ علم کے ساتھ ساتھ عمل کو بھی بروئے کار لاتا ہو۔ حضرت نے علم کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ اول: علم خداوند تعالیٰ۔ دوم: علم خلق۔ ان دونوں کے امتیاز کو یوں واضح کیا ہے کہ خدا کے علم کے نزدیک بندہ کا علم ہیچ ہے۔ وہ تمام موجودات معدومات کا علم رکھتا ہے۔ حضرت علی ہجویری نے بندہ کے علم کی تخصیص یوں فرمائی ہے کہ ایک علم اصولی ہے یعنی ظاہر میں کلمہ شہادت پڑھنا اور باطن میں معرفت کی تحقیق کرنا، دوسرا علم فروعی ہے یعنی ظاہر میں معاملہ کرنا اور باطن میں اس کے لیے صحیح نیت رکھنا۔ آپ نے صوفیائے کرام کے اقوال و دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ جس شخص کو خدا کا علم یعنی علمِ حقیقت حاصل نہ ہو تو اس کا دل جہالت اور تیرگی کا مرکز ہے۔ حضرت کو خود علم سے اتنی رغبت تھی کہ ملک ملک کا سفر اختیار کیا اور اپنے اس ذوق کی تسکین فرمائی۔

فقر

حضرت علی ہجویری فرماتے ہیں کہ فقر کا مرتبہ خدا

کے نزدیک بہت بلند ہے۔ حضرت نے اس کی تعریف یوں کی ہے کہ فقر تمام دنیاوی رنج وخوشی سے بیگانہ کر دینے والی چیز ہے فقیر کو دنیاوی جاہ وحشمت اور مال و دولت کا غم نہیں ستایا کرتا اگر وہ تنگ دست ہے تو یہ اس کے لیے زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس سے دل میں کشادگی پیدا ہوتی ہے اور اس پر خدا کے اسرار زیادہ سے زیادہ منکشف ہوتے ہیں ۔ فقیر کو سکون اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔ جب اس کا دل و دماغ ہر دنیاوی فکر سے آزاد ہوتا ہے وہ کسی چیز کی تمنا نہیں رکھتا اور اگر اس سے کوئی چیز حاصل ہو جاتی ہے۔ تو وہ اسے اپنے سے غیر سمجھتا ہے اور چونکہ ماسوا اللہ کے اسے کسی چیز سے آرام نہیں ملتا۔ اس لیے وہ خواہشات کو ترک کر دیتا ہے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ فقیر کو فقر اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب کر لیتا ہے۔ اس کی طبیعت تمام آفتوں اور اندیشوں سے پاک ہوتی ہے۔ حقیقت میں فقیر وہی ہے جس کا دل تمام کدورتوں سے پاک مثل آئینہ صاف ہو۔ فقیر اپنے دل کو خدا کی مخالفت کی میل سے پاک رکھتا ہے کیونکہ دوستی میں صرف موافقت ہوتی ہے مخالفت نہیں ہوتی۔ اس لیے دوست کو دوست کے حکم کی تعمیل کے سوا کسی چیز سے سروکار نہیں ہونا چاہیے۔

تصوف

حضرت شیخ علی ہجویری حضرت جنید کے اس قول کی تائید کرتے ہیں کہ تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں کے مرکب سے تیار ہوتی ہے یہ آٹھ خصلتیں آٹھ پیغمبروں کی پیروی کرتی ہیں یعنی اس میں سخاوت اس بلند پایہ کی ہو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عبارت ہے۔ رضا حضرت اسمٰعیل جیسی ہو، صبر حضرت ایوب جیسا ہو، اشارات حضرت زکریا علیہ السلام کے سے ہوں ، غربت حضرت یحییٰ جیسی ہو، سیاحت حضرت عیسیٰ کی سی ہو، لباس حضرت موسیٰ کا سا اور فقر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا سا ہو۔

حضرت کے نزدیک تصوف، محض علوم و رسوم کا ہی نام نہیں بلکہ یہ ایک خاص اخلاق کا نام ہے۔ آپ نے اس اخلاق کی تین قسمیں تجویز فرمائی ہیں:

1۔ خدا کے احکام کو ریا سے پاک ہو کر پورا کرنا
2۔ بڑوں کی عزت کرنا اور چھوٹوں کے ساتھ عزت سے پیش آنا اور کسی سے انصاف یا بدلہ کی خواہش نہ کرنا۔
3۔ نفسانی خواہشات سے دور بھاگنا۔

رضا

حضرت علی ہجویری نے رضا کی دو قسمیں بتائی ہیں: پہلی رضا وہ جو خدا کو بندہ سے ہوتی ہے اور دوسری وہ جو بندہ کو خدا کی ذات سے۔

بندہ سے خدا کی رضا کا مطلب اس کو ثواب، نعمت اور بزرگی عطا کرنے سے ہے اور خداوند تعالیٰ سے بندوں کی رضا سے یہ مراد ہے کہ وہ اس کے احکام کی تعمیل کرے ۔ خداوند تعالیٰ اپنے احکام میں یا تو کسی چیز سے منع کرتا ہے یا عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔

اصحابِ رضا کی چار قسمیں ہیں:

(۱) خداوند تعالیٰ کی طرف سے انہیں جو کچھ عطا ہوتا ہے اس پر خوش رہتے ہیں اور قناعت کرتے ہیں۔ یہ معرفت ہے۔
(۲) جو محض اس کی نعمتوں سے ہی خوش رہتے ہیں وہ دنیا والے ہیں۔
(۳) جو مصیبتوں میں بھی اس سے خوش رہتے ہیں۔
(۴) اپنی طلب سے بے نیاز ہو کر محض اس کی خوش نودی سے خوش رہتے ہیں یہ محبت کی دلیل ہے۔

ریاضت

حضرت فرماتے ہیں کہ نفس کی مخالفت تمام عبادتوں کا سرچشمہ ہے۔ نفس کو نہ پہچاننا اپنے آپ کو نہ پہچاننے کے برابر ہے اور جو شخص اپنے آپ کو نہیں پہچانتا وہ خدا کو بھی نہیں پہچان سکتا۔ نفس کا فنا ہونا حق کے بقا کی علامت ہے اور نفس کی پرورش خدا کی مخالفت ہے۔ نفس پر جبر کرنا یعنی نفسانی خواہشات کو روکنا جہاد اکبر ہے۔

بندہ دو چیزوں کا تابع ہوتا ہے: ایک عقل کا اور دوسرے اپنے نفس کا جو عقل کا تابع ہوتا ہے وہ ایمان کے راستے پر گامزن ہوتا ہے اور جو نفس کی پیروی کرتا ہے وہ کفر و گناہ کی سمت جاتا ہے۔ سب سے بڑی عبادت نفسانی خواہشات کا ترک کرنا ہے۔ گو اس کا ترک کرنا ناخن سے پہاڑ کھودنے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔

فنا و بقا

بعض علمائے دین کا خیال ہے کہ فنا سے مراد اپنی ذات اور وجود کا مٹا دینا ہے اور بقا کا مطلب خدا سے متحد ہو کر اس میں حلول کر جانا ہے۔ لیکن حضرت شیخ ہجویری نے ان دونوں تعریفوں کی تردید فرمائی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اپنے وجود کو مٹا کر خدا میں حلول کرنا ناممکن ہے۔ کیونکہ مخلوق اور خالق میں ایسا ارتباط ممکن نہیں۔ حضرت داتا گنج بخش کے نزدیک فنا کا مطلب تمام نفسانی خواہشات اور خصائص بشریت سے الگ ہو جانا ہے اور وہ جو کچھ اس طور سے کہ محبت و عداوت، قرب و بعد، وصل و فراق میں کوئی تمیز باقی نہ رہ جائے۔ جب یہ درجہ حاصل ہو جائے تو اسے مختصر الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ انسانیت سے کنارہ کش ہونے کا نام فنا ہے اور اخلاص و عبودیت کا نام بقا ہے یا اسے یوں کہہ لیجیے کہ دنیاوی کاروبار سے علیحدہ ہونا فنا ہے اور خدا کا جلال دیکھنا بقا۔ یہ اسی جلال اور پرتو کا کرشمہ ہوتا ہے کہ سالک دین و دنیا کو فراموش کر دیتا ہے اور زمان و مکان سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس کی زبان حق تعالیٰ سے ناطق ہو جاتی ہے۔

نماز

حضرت ہجویری فرماتے ہیں کہ نماز بندوں کو خدا کے راستے پر پہنچاتی ہے اور ان پر اس راہ کے تمام مقامات کھل جاتے ہیں۔ وضو یعنی جسم کی طہارت، توبہ (یعنی باطن کی طہارت) ہے۔ قبلہ رو ہونا مرشد سے تعلق پیدا کرنا ہے۔ قیام نفس کا مجاہدہ ہے۔ قرات ذکر ہے۔ رکوع تواضع ہے۔ سجدہ نفس کی معرفت ہے، تشہد انس، یعنی محبت کا مقام ہے سلام دنیا سے علیحدہ ہو کر مقامات سے باہر آ جانے کا نام ہے۔

حضرت کی رائے کے مطابق اصلی نماز وہ ہے کہ جسم عالم ناسوت میں ہو اور روح عالم ملکوت میں ۔ صوفیائے کرام نے ایسی نمازیں پڑھی ہیں۔ حضرت حاتم اصم فرماتے ہیں کہ جب میں نماز پڑھتا ہوں تو بہشت اپنے سامنے کے رخ اور دوزخ کو پشت پر دیکھتا ہوں۔ حضرت ہجویری نے مردوں کو باجماعت نماز پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے۔

روزہ

حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روزہ سے مراد حواس خمسہ کو اس طرح مقید کرنا ہے کہ نفس و ہوا کا گزر نہ ہو سکے۔ بھوک سے بحث کرتے ہوئے آپ نے بتایا ہے کہ اس سے نفس میں فتادگی اور دل میں عاجزی پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ بھوک سے جسم بلا میں مبتلا ہوتا ہے لیکن دل کو روشنی اور جان کو صفائی حاصل ہوتی ہے۔

حضرت ابو العباس قصاب فرماتے ہیں کہ جب

میں کھاتا ہوں تو اپنے اندر گناہوں کے مادے پیدا ہوتے ہوئے محسوس کرتا ہوں اور جب کھانے سے ہاتھ اٹھالیتا ہوں تو سب طاعتوں کی اصل پاتا ہوں۔

حضرت ابراہیم ادھم رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں کوئی چیز نہیں کھاتے تھے حالانکہ سخت گرمی کا موسم ہوتا تھا۔ روزانہ گیہوں کاٹنے کے لیے جایا کرتے تھے اور جو کچھ مزدوری ملتی تھی وہ فقرا اور مساکین میں تقسیم فرمادیا کرتے تھے۔

حج

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ حج کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ حج کے لیے ایک صوفی کا نکلنا گناہوں سے توبہ کرنا ہے۔ کپڑے اتار کر احرام باندھنا انسانی عادتوں سے علیحدہ ہونا ہے۔ عرفات میں قیام کرنا مشاہدہ کا کشف حاصل کرنا ہے۔ مزدلفہ جانا نفسانی مرادوں کو ترک کرنا ہے۔ خانہ کعبہ کا طواف کرنا، خدا تعالیٰ کے جمال با کمال کو دیکھنا ہے۔ صفا اور مروہ میں دوڑنا دل کی صفائی اور اس میں مروت حاصل کرنا ہے۔ منیٰ میں آنا آرزوؤں کو ساقط کرنا ہے۔ قربانی کرنا گویا نفسانی خواہشات کو ذبح کرنا ہے اور کنکریاں پھینکنا برے ساتھیوں کو دور بھگانا ہے۔ جس صوفی کو حج میں یہ کیفیات حاصل نہیں ہوئیں اس نے گویا حج نہیں کیا۔

اقوال

- فقیر کے لیے لازم ہے کہ وہ سلاطین اور حاکموں کے میل جول سے پرہیز کرے۔
- غرور کو اپنے جسم سے نکال دے۔
- اگر کسی کی کھجور کی گٹھلی بھی تیرے پاس ہو تو اس کے حوالے کردے اور اپنے نہ رکھ۔
- اگر تجھے کسی دوست کا بھید حاصل ہو تو اسے افشا نہ کر اور اس سے بے تاب نہ ہو۔
- تجھے لازم ہے کہ اپنے والدین کو اپنا قبلہ سمجھے۔
- اگر تمہارے پاس دولت ہے تو محتاجوں کو دے دو۔ اگر نہ دو گے تو تمہیں یہی دولت قبر میں کیڑا بن کر کھائے گی اور دے دو گے تو تمہاری دوست ہوگی۔
- اپنے گناہوں کے لیے دن رات استغفار کرتے رہو۔
- کمزور خلقت پر رحم کرو۔
- استاد کا حق بجالاؤ۔
- یتیموں کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھو۔
- نماز باجماعت ادا کرو۔
- جو کچھ خدا عطا کرتا ہے اس پر شکر بھیجو اور اس کی خوشنودی کو مقدم سمجھو۔
- ایسا کام کر کہ تجھ سے کسی کو فیض پہنچے۔
- کسی کا دل نہ توڑو۔
- اللہ تعالیٰ سے نیک اولاد مانگو۔
- اپنے کو بہت ہی ذلیل و کمتر جانو۔
- طمع اور خواری کو اچھی طرح سمجھ لو اس کو دفع کرنے کے لیے مکرور یا کو اپنے سے دور رکھو۔
- نفس کو فربہ نہ کرو۔
- اللہ تعالیٰ کے کرم پر اتراؤ نہیں۔
- نماز قائم رکھا کرو۔
- جو کچھ تمہیں خدا تعالیٰ سے عطا ہو اس پر راضی رہو۔
- صبر ایک عظیم چیز ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی یاد کو ہر دم اپنے دل میں رکھو اس طرح تم نفس کشی میں کامیاب ہو سکتے ہو۔
- اگر کسی مزار یا قبر کے پاس سے تمہارا گزر ہو تو اس کے حق میں دعا کیا کرو۔
- استاد کا حق بجالاؤ۔

مکن اے علی بیش ازیں گفتگو
کہ مرد خدائی و پاکیزہ خو
ہر آنچہ تو داری ثواب و عذاب
خدا داند آں راہمہ بالصواب

(بشکریہ ماہنامہ ''آئینہ'')

بقیہ ''حوالہ جات درسِ قرآن''

حوالہ جات

(580) حاشیہ جلالین صاوی ایضاً روح المعانی ایضاً آلوسی ایضاً وروح البیان اسماعیل حقی ورازی
(581) تفسیر خازن
(582) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(583) روالمعانی: آلوسی
(584) انوار التنزیل: بیضاوی ایضاً شیخ زادہ ایضاً ابن زائدہ
(585) تفسیر مظہری بحوالہ مصنف عبدالرزاق: ثنااللہ پانی پتی
(586) تفسیر مظہری: پانی پتی
(587) تفسیر کبیر: رازی
(588) التفسیر البسیط: واحدی ایضاً نجوم ایضاً نعیمی ایضاً رازی
(589) تفسیر کبیر: رازی
(590) تفسیر القران: پانی پتی
(591) تفسیر مظہری: پانی پتی
(592) الجامع لاحکام: قرطبی
(593) تفسیر کبیر: رازی

سالکین! طالبین اور محبین!!!

اعمال کی چار صورتیں ہوسکتی ہیں:

1) صوری 2) عرفانی اور وجدانی 3) حقیقی 4) اور روحانی

اعمال اس وقت تک اعتبار نہیں پاسکتے جب تک ان کی صورت رسول کریم ﷺ کی سنت کے مطابق نہ ہو جیسے آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''نماز تم اس طرح پڑھو جیسے میں نماز پڑھتا ہوں''۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب
محمد عقیل صدیق کھوکھر

صوفیاء کا مزاج اور منہج

علامہ محمد ارشد

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کل میسر لما خلق له

''ہر شخص کے لیے وہی امر آسان کیا گیا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے''۔

(صحیح بخاری: 7551)

سیدنا داتا علی ہجویری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

کل من فی فواده وجع

یطلب شیئا یوافق الوجعا

''ہر وہ شخص جس کے دل میں درد ہے وہ وہی چاہتا ہے جو درد کے موافق ہے''۔

بندہ اپنے درد دل کی دوا کے لیے جس بھی راستے کا انتخاب کرتا ہے اللہ تعالیٰ وہ راستہ اس کے لیے آسان فرما دیتا ہے۔ تقریباً ایک ہزار سال پہلے کی بات ہے جب داتا صاحب علیہ الرحمۃ اس دنیا میں تشریف فرما تھے۔ آپ اپنے زمانے کے مذہبی لبادے میں موجود لوگوں کا حال بڑی دردمندی کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے زمانہ میں پیدا فرمایا ہے کہ لوگوں نے اپنی خواہشات کا نام شریعت، حُبِّ جاہ کا نام عزت، تکبر کا نام علم اور ریاکاری کا نام تقویٰ رکھ لیا ہے اور دل میں کینہ کو چھپانے کا نام حلم، مجادلہ کا نام مناظرہ، بیوقوفی کا نام عظمت، آرزو تمنا کا نام زہد، ہذیان طبع کا نام معرفت، نفسانیت کا نام محبت، الحاد کا نام فقر، بے دینی کا نام فنا اور نبی کریم ﷺ کی شریعت کو ترک کرنے کا نام طریقت رکھ لیا ہے اور اہل دنیا کی آفتوں کو معاملہ کہنے لگے ہیں''۔

قارئین کرام!

یہ ایک ہزار سال پہلے کے لوگوں کی داستان ہے۔ جسے موجودہ دور کی نسبت یقیناً ایک اچھا دور کہا جاسکتا ہے۔ اگر اُس دور کے لوگوں کا یہ حال تھا تو آج لوگ مذہبی اعتبار سے کس مقام پر ہوں گے اندازہ لگانا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت داتا علی ہجویری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ ''اس وجہ سے جو حقیقی عارف تھے انہوں نے لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور گوشۂ خلوت میں رہنے کو پسند فرمانے لگے تھے''۔ پھر مزید ایک تلخ حقیقت بیان کرتے ہیں، ایک ایسی حقیقت جسے آج کے دور میں بیان کرنا کفر کے برابر قرار دیا جا رہا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''ان جھوٹے مدعیان جہان کا ایسا غلبہ ہو گیا ہے جس طرح خلافت راشدہ کے اختتام پر اہل بیت اطہار سلام اللہ علیہم اجمعین پر آل مروان کا غلبہ ہو گیا تھا''۔ اس حقیقت کا انکشاف حضرت ابوبکر واسطی نے کیا خوب کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ''ہم ایسے دور میں پھنس گئے ہیں جس میں نہ تو اسلام کے آداب ہیں اور نہ جاہلیت کے اخلاق ہیں اور نہ عام انسانی شرافت کے طور طریقے''۔ (کشف المحجوب)

ہم صوفیاء کے منہج کو ہی اسلام کا حقیقی منہج سمجھتے ہیں۔ اس مختصر مضمون میں ہم مشکل ابحاث میں جائے بغیر سادے انداز میں پنجتن پاک کی نسبت سے صوفیاء کے 5۔ اصولوں کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

نمبر 1: اخلاص

ایمانیات کے بعد سب سے بنیادی شے اخلاص ہے جس شخص کے پاس اخلاص کا نور نہیں ہے وہ صوفی ہونا تو درکنار صحیح مسلمان کہلانے کا حقدار بھی نہیں ہے۔ اخلاص کی اہمیت بیان کرتے ہوئے قرآن حکیم نے شیطان کا دعویٰ ذکر کیا ہے کہ

''ضرور میں ان سب کو گمراہ کروں گا، سوائے تیرے ان بندوں کے جو ان میں سے خلوص رکھنے والے ہیں''۔

(حجر: 39، 40)

منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا جس نے طویل عرصہ تک اللہ تعالیٰ عبادت کی، اس کے پاس کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے: فلاں قوم اللہ تعالیٰ کے سوا ایک درخت کی پوجا کرتی ہے۔ یہ سن کر وہ غصے میں آ گیا اور اپنا کلہاڑا کاندھے پر رکھ کر درخت کاٹنے کے ارادے سے چل پڑا، راستے میں اسے ایک شیخ کے روپ میں شیطان ملا اور پوچھنے لگا: کہاں کا ارادہ ہے؟ عابد نے کہا: فلاں درخت کو کاٹنے جا رہا ہوں۔ شیطان کہنے لگا: تجھے اس سے کیا غرض؟ تو اپنی عبادت چھوڑ کر دوسرے معاملات میں کیوں پڑتا ہے؟ عابد نے کہا: یہ بھی میری عبادت ہے۔ شیطان نے کہا: میں تجھے ہرگز یہ درخت نہیں کاٹنے دوں گا۔ چنانچہ دونوں لڑ پڑے، عابد نے اسے پکڑ کر زمین پر دے مارا اور اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ شیطان نے کہا: مجھے چھوڑ دو میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ عابد نے اسے چھوڑ دیا۔ شیطان اس سے کہنے لگا: اے فلاں! اللہ تعالیٰ نے تجھ سے یہ چیز ساقط کی ہے تجھ پر فرض نہیں کی، نہ تو تُو اس درخت کی عبادت کرتا ہے اور نہ ہی دوسروں کا گناہ تجھ پر ہوگا، روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار انبیاً ہیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انہیں ان کی طرف بھیج دیتا اور انہیں درخت کاٹنے کا حکم دیتا۔ عابد نے کہا: میں اسے ضرور کاٹوں گا۔ دونوں پھر لڑ پڑے، عابد اس پر غالب آ گیا اور اسے پچھاڑ کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا، جب ابلیس عاجز آ گیا تو اس نے کہا: میرے پاس تیرے لیے ایک تجویز ہے جس سے میرے اور تیرے درمیان فیصلہ ہو جائے گا اور وہ تیرے لیے زیادہ بہتر اور نفع بخش ہے۔ عابد نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ کہا: مجھے چھوڑ دو پھر بتاؤں گا۔ عابد نے اسے چھوڑ دیا تو شیطان بولا: تم فقیر و حاجت مند ہو، تمہارے پاس کچھ نہیں، تم لوگوں پر بوجھ ہو، لوگ تمہاری خبر گیری کرتے ہیں، تم چاہتے ہو گے کہ تم اپنے بھائیوں سے اچھا سلوک کرو، پڑوسیوں کی غم خواری کرو، خود سیر ہو کر کھاؤ اور لوگوں سے بے نیاز ہو جاؤ۔ عابد نے کہا: ہاں! یہ بات تو ہے۔ شیطان نے کہا: تم درخت کاٹنے کا ارادہ

چھوڑو اور واپس چلے جاؤ، میں ہررات تمہارے سرہانے دو دینار رکھ دیا کروں گا، جب صبح اٹھو تو انہیں اٹھالینا، اپنے اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا، اپنے بھائیوں پر صدقہ کرنا، یہ تمہارے اور مسلمانوں کے لیے درخت کاٹنے سے زیادہ مفید ہے کہ درخت کاٹنے سے ان لوگوں کو کوئی نقصان نہ ہوگا نہ ہی تمہارے مسلمان بھائیوں کو کوئی فائدہ ہوگا کیونکہ اس کی جگہ دوسرا درخت لگا دیا جائے گا۔ عابد نے شیطان کی بات میں غور وفکر کیا اور (دل ہی دل میں) کہنے لگا: اس نے سچ کہا، میں کوئی نبی نہیں ہوں کہ مجھ پر اسے کاٹنا لازم ہو اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے مجھے اسے کاٹنے کا حکم دیا ہے کہ میں اس پر عمل نہ کرنے سے گناہ گار ہو جاؤں گا اور جو کچھ اس شیخ نے کہا ہے اس میں زیادہ نفع ہے۔ چنانچہ عابد نے شیطان سے اس عہد و پیمان پر قسم لے لی اور اپنے عبادت خانے کی طرف لوٹ آیا، صبح ہوئی تو دیکھا کہ اس کے سرہانے دو دینار رکھے ہوئے ہیں۔ اس نے انہیں اٹھالیا، دوسرے دن بھی اسی طرح ہوا لیکن تیسرے دن اسے کچھ نہ ملا تو وہ غصے میں آ گیا اور کلہاڑا کاندھے پر رکھ کر درخت کی طرف چل دیا، راستے میں پھر شیطان شیخ کی صورت میں اس سے ملا اور پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ عابد نے کہا: اس درخت کو کاٹنے جا رہا ہوں۔ شیطان نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! تم جھوٹ بولتے ہو، تم اس پر قادر نہیں اور نہ اس کام کو کر سکتے ہو۔ چنانچہ عابد نے اسے پکڑ کر پہلے کی طرح گرانا چاہا تو شیطان نے کہا: اب ایسا نہیں ہو سکتا۔ پھر شیطان نے اسے پکڑ کر پچھاڑ دیا، اب وہ عابد شیطان کے سامنے چڑیا کی طرح تھا، ابلیس لعین اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور کہنے لگا: اپنے اس ارادے سے باز آ جاؤ ورنہ تمہیں جان سے مار دوں گا۔ عابد نے جب اپنے آپ کو بے بس پایا تو اس سے کہا: اے فلاں! مجھے چھوڑ دے اور یہ بتا کہ تو مجھ پر کیسے غالب آ گیا؟ حالانکہ پہلی مرتبہ میں تجھ پر غالب آ گیا تھا۔ شیطان نے کہا: پہلی مرتبہ تجھے اللہ تعالیٰ لیے غصہ آیا تھا اور تیری نیت آخرت کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرے ہاتھوں مغلوب کر دیا جب کہ اس مرتبہ تجھے اپنی ذات اور دنیا کے لئے غصہ آیا تو میں نے تجھے پچھاڑ دیا۔

(احیاء العلوم)

اخلاص کی بدولت انسان ابلیس جیسے طاقتور جن سے بھی زیادہ طاقتور ہو جاتا ہے۔

نمبر2: تکریم انسانیت

ہمارے ہاں دینی، علمی اور سیاسی مزاج عنقا ہو چکا ہے۔ سیاسی مزاج پر تو ہم بات نہیں کر سکتے کیونکہ ہر پارٹی کا بندہ لٹھ لے کر انتظار میں کھڑا ہوتا ہے کہ کوئی ہمارے مزاج کے خلاف بات کر کے تو دکھائے۔ آج کل مذہبی لوگوں کا عمومی مزاج بھی یہ بن چکا ہے کہ تبلیغ اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک خلافِ مزاج لوگوں کو ذلیل نہ کر لیا جائے۔ جبکہ وہ تبلیغ جو رسول کریم ﷺ نے فرمائی تھی اس میں تبلیغ کا بنیادی عنصر دوسروں کو ذلیل کرنا نہیں تھا بلکہ للّٰہیت تھا۔ علمائے کرام اصلاح کا طریقہ کار بتاتے ہیں جبکہ صوفیاء دل کے اندر اصلاح کا درد اور احساس پیدا فرماتے ہیں۔ حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ کا نام کون نہیں جانتا۔ ان کے بارے میں حضرت سیدنا داتا علی ہجویری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

''ایک مرتبہ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کشتی میں سوار دریائے نیل میں سفر کر رہے تھے سامنے سے ایک کشتی آ رہی تھی جس میں لوگ گا بجا کر خوب خوشیاں منا رہے تھے اور ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ آپ کے رفقاء نے آپ سے عرض کیا اے شیخ! دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ان سب کو غرق کر دے تا کہ ان کی نحوست سے مخلوق خدا پاک ہو، حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ کھڑے ہو گئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی کہ خدایا جس طرح تو نے دنیا میں آج ان کو خوشی و شادمانی بخشی اسی طرح اُس جہان میں ان کو خوشی مسرت عطا فرما۔ آپ کے رفقاء اِس دعا کو سن کر حیران رہ گئے جب وہ کشتی آمنے سامنے ہوئی اور لوگوں کی نظریں حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ پر پڑیں تو رو کر معذرت کرنے لگے اور اپنے آلاتِ موسیقی کو توڑ کر دریا میں پھینک دیا اور تائب ہو کر حق کی طرف متوجہ ہو گئے حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ نے اپنے رفقاء سے فرمایا: اُس جہان کی خوشی و مسرت اِس جہان میں توبہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے دیکھ لو سب کی مرادیں حاصل ہو گئیں تمہاری بھی اور ان کی بھی اور کسی کو کوئی رنج و تکلیف بھی نہ پہنچی''۔

(کشف المحجوب)

یہ واقعہ ایک مبلغ کی شفقت و مہربانی پر دلالت کرتا ہے اور یہ رسول کریم ﷺ کی سنت کے عین مطابق ہے کافروں نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی اس کے باوجود آپ کی صفتِ رحمت میں کوئی فرق نہ آیا ہر بار یہی دعا فرماتے:

''اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ وہ نادان ہیں''۔

نمبر3: اللہ کی مخلوق پر شفقت

بلا تفریق اللہ کی مخلوق سے محبت صوفیائے کرام کی مبارک عادت رہی ہے۔ جو مخلوق کے درد کو محسوس کرنے سے قاصر ہے وہ صوفی نہیں بن سکتا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ اکثر ''طَرسُوس'' کی طرف جاتے اور وہاں ایک مسافر خانے میں ٹھہرتے، ایک نوجوان آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث سنا کرتا، جب بھی آپ ''رِقَّہ'' نامی شہر میں تشریف لاتے تو وہ نوجوان حاضرِ خدمت ہو جاتا۔ ایک مرتبہ جب آپ رضی اللہ عنہ ''رِقَّہ'' پہنچے تو اس نوجوان کو نہ پایا۔ اس وقت آپ جلدی میں تھے کیونکہ مسلمانوں کا ایک لشکر جہاد کے لیے گیا ہوا تھا اور آپ بھی اس میں شرکت کے لیے آئے تھے۔ چنانچہ آپ اس کی معلومات کرنے کی بجائے لشکر میں شامل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور آپ رضی اللہ عنہ غازی بن کر واپس ''طرسُوس'' آئے اور ''رِقَّہ'' پہنچ کر اپنے اس نوجوان شاگرد کے بارے میں پوچھا تو پتا چلا کہ نوجوان مقروض تھا اور اس کے پاس اتنی رقم نہ تھی کہ وہ قرض ادا کرتا لہٰذا قرض ادا نہ کرنے کی وجہ سے اسے گرفتار کر لیا گیا ہے۔ جب آپ کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے پوچھا: ''میرے اس نوجوان شاگرد پر کتنا قرض تھا؟'' کہا گیا کہ'' دس ہزار درہم۔ آپ پوچھتے پوچھتے قرض خواہ کے گھر پہنچے، اسے دس ہزار درہم دے کر اپنے شاگرد کی رہائی کا مطالبہ کیا اور کہا: ''جب تک میں زندہ رہوں اس وقت تک کسی کو بھی اس واقعہ کی خبر نہ دینا'' پھر راتوں رات آپ وہاں سے رخصت ہو گئے۔ قرض خواہ نے صبح ہوتے ہی مقروض نوجوان کو رہا کر دیا۔ نوجوان جب باہر آیا تو لوگوں نے اس سے کہا: حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ آپ کے متعلق پوچھ رہے تھے اور اب وہ واپس جا چکے ہیں۔ یہ سن کر نوجوان آپ کی تلاش میں نکل پڑا اور تین دن

کی مسافت طے کر کے آپ کے پاس پہنچا۔آپ نے اسے دیکھا تو پوچھا:''اے نوجوان ! تم کہاں تھے؟میں نے تمہیں مسافرخانے میں نہیں پایا''۔ نوجوان نے کہا:''اے ابوعبدالرحمٰن!مجھے قرض کے عوض قید کرلیا گیا تھا''۔آپ نے پوچھا''پھر تمہاری رہائی کا کیا سبب بنا؟ نوجوان نے عرض کی :اللہ تعالیٰ کے کسی نیک بندے نے میرا قرض ادا کردیا،اس طرح مجھے رہائی مل گئی۔آپ نے فرمایا:''اے نوجوان!اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرو کہ اس نے کسی کو تیرا قرض ادا کرنے کی توفیق دی اور تجھے رہائی عطا فرمائی''۔راوی کہتے ہیں جب تک حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ زندہ رہے تب تک اس قرض خواہ نے کسی کو بھی خبر نہ دی کہ نوجوان کا قرض کس نے ادا کیا،آپ کے وصال کے بعد اس نے سارا واقعہ لوگوں کو بتادیا۔

(عیون الحکایات:ابوالفرج عبدالرحمن بن علی جوزی)

نمبر4: بدوں کی صحبت سے پرہیز

سلوک کی منزلیں طے کرنے والے انسان کے لیے بنیادی باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ بدوں کی صحبت سے پرہیز کرے۔بدعقیدہ لوگوں کی صحبت ہو یا بدعمل لوگوں کی صحبت،سالک ہر ایک سے اجتناب کرتا ہے۔حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

ان صحبت الاشرار تورث سوء الظن بالاخیار

''بدوں کی صحبت،نیکوں سے بدگمانی پیدا کرتی ہے''۔

''کشف المحجوب'' میں حضرت سیدی داتا علی ہجویری علیہ الرحمۃ مذکورہ بالا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ'' یہ نصیحت بالکل صحیح و درست ہے اور موجودہ لوگوں کے حال کے عین مطابق ہے۔مقبولانِ بارگاہ کے تمام منکروں پر صادق ہے۔عام بدظنی کی وجہ یہی ہے کہ لوگ نقلی صوفیوں کی صحبت اختیار کرتے ہیں اور جب ان سے خیانت،جھوٹ اور غیبت وغیرہ کا صدور ہوتا ہے تو لوگ یہی سمجھنے لگتے ہیں کہ تمام صوفی ایسے ہی ہوتے ہیں اور تمام صوفیوں کا یہی مذہب ہوگا''۔

قارئین کرام!

داتا صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے دور کے لوگوں کے لیے کہا تھا کہ یہ بات بالکل صحیح اور درست ہے کہ بدکار لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر بندہ نیک لوگوں کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہوجاتا ہے لیکن اگر آج کے ماحول میں بھی دیکھیں تو یہ بات بالکل صحیح اور درست نظر آتی ہے۔بلکہ آج کے دور میں الیکٹرانک میڈیا ہو یا سوشل میڈیا بُری صحبت والا کردار ادا کر رہے ہیں۔ذہن سازی اور کردارسازی میں اہم رول ادا کر رہے ہیں۔ سیاسی اعتبار سے لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم باشعور ہوگئے ہیں۔لیکن ہمیں اس شعور پر حیرت ہوتی ہے کہ یہ کیسا شعور ہے جس کے ملنے کے بعد بندہ اپنے علاوہ سب کو گدھا سمجھنے لگ جائے۔یہ سیاسی باشعور ہونے کا دعویٰ کرنے والے لوگ سوشل میڈیا پر صرف وہ ویڈیوز دیکھتے ہیں جو ان کے مقصد کی ہوتی ہیں اور الیکٹرانک میڈیا پر بھی صرف وہ چینل ملاحظہ کرتے ہیں جو ان کی محبوب پارٹی کی نمائندگی کرتا ہے۔سیاست میں تو ہم اپنی مرضی کے خلاف جانے والے ہر اینکر،ہر یوٹیوبر اور ہر ٹی وی چینل کو دیکھنا بند کردیتے ہیں لیکن مذہب کی بات آتی ہے تو ہم اس طرح کی کسی قسم کی پابندی کو ملحوظ خاطر نہیں رکھتے،شیعہ سے لے کر سنی تک اور بریلوی سے لے کر دیوبندی تک، کوئی مقرر نہیں چھوڑتے ہر ایک کو سنتے ہیں اور نتیجتاً ذہنی طور پر مضطرب ہوجاتے ہیں اور مضطرب ہوکر دیندار لوگوں کے بارے میں بدگمان ہوجاتے ہیں۔صرف دیندار طبقے سے ہی بدگمان نہیں ہوتے اپنے استاد اور اپنے شیخ کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہوجاتے ہیں اور ان سے دوری اختیار کرلیتے ہیں۔

نمبر5: اپنی اصل کے ساتھ مضبوط تعلق

قانون فطرت ہے کہ درخت پھلدار وہی ہوتا ہے جس کا تعلق زمین کے ساتھ مضبوط ہوتا ہے۔ جو درخت اپنی زمین چھوڑ دیتا ہے وہ کبھی بھی پھلدار نہیں ہوسکتا۔پھل دینا تو دور کی بات ہے وہ خشک ہوجاتا ہے۔درخت زمین سے خوراک حاصل کر کے انسانیت کو پھل کی صورت میں فائدہ دیتا ہے۔اسی طرح سالک انسانیت کے لیے فائدہ مند تب ہی ہوسکتا ہے جب وہ انسانیت کو دینے والا فائدہ خود کسی سے حاصل کر رہا ہو۔اگر وہ خود کسی سے فائدہ حاصل کرنے کے قابل ہی نہ ہو تو وہ دوسروں کو فائدہ کیسے پہنچا سکتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کے مریدوں میں سے ایک کو یہ خیال گزرا کہ میں درجہ کمال کو پہنچ گیا ہوں اب میرے لیے اکیلا رہنا صحبت سے بہتر ہے،چنانچہ وہ گوشہ نشین ہوگیا اور مشائخ کی صحبت چھوڑ دی۔ایک رات اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک اونٹ لے کر آئے ہیں انہوں نے کہا کہ رات تمہیں جنت میں گزارنی چاہیے۔یہ لوگ اسے اونٹ پر سوار کر کے لے گئے یہاں تک کہ ایسی جگہ لے گئے جو اچھی طرح نظر آتی ہے۔وہاں حسین وخوبصورت چہروں میں نفیس طعام اور پانی کے چشمے رواں تھے۔اسے صبح تک وہاں رکھا۔حالانکہ یہ سب مرید کی خواب کی حالت تھی۔ جب صبح بیدار ہوا تو اپنے حجرے میں اپنے آپ کو پایا۔ یہ سلسلہ اسی طرح روزانہ جاری رہا یہاں تک کہ بشری غرور ورعونت نے غلبہ پایا اور اس کے دل میں جوانی کے گھمنڈ نے اپنا اثر جمایا اور اس کی زبان پر دعویٰ جاری ہوگیا اور کہنے لگا میری حالت اس کمال تک پہنچ گئی ہے اور میری راتیں اس طرح بسر ہوتی ہیں۔لوگوں نے اس کی خبر حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کو پہنچائی۔ آپ اٹھے اور اس کے حجرے میں تشریف لے گئے۔اسے اس حال میں پایا کہ اس کے سر میں خواہشیں بھری ہوئی تھیں اور تکبر سے اکڑا ہوا تھا۔آپ نے اس سے حال دریافت کیا۔اس نے سارا حال بیان کردیا۔حضرت جنید نے فرمایا: یاد رکھ جب تو آج رات وہاں پہنچے تو تین مرتبہ **"لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"** پڑھنا،چنانچہ جب رات آئی اور اسے حسب سابق لے جایا گیا چونکہ وہ اپنے دل میں حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کا انکاری تھا کامل اعتقاد جاتا رہا تھا کچھ عرصہ بعد محض تجربہ کے طور پر اس نے تین مرتبہ لاحول پڑھا تو اسے لے جانے والے تمام لوگ چیخ مار کر بھاگ گئے اور خود کو اس نے نجاست اور کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پڑا پایا۔ چاروں طرف مردار ہڈیاں پڑی ہوئی ہیں اس وقت اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔دل سے توبہ کی اور ہمیشہ صحبت میں رہنے لگا۔مرید کے لیے اکیلے رہنے سے بڑھ کر کوئی آفت نہیں۔ (کشف المحجوب)

سوشل میڈیا کی رنگینیوں سے متاثر ہوکر جو لوگ اپنے شیخ کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہوتے ہیں اور ان سے الگ رہنا پسند کرتے ہیں تو انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ اس حالت میں ان کو جو خوبصورتی اور حسن نظر آرہا ہے وہ اصل میں بدصورتی،نجاست اور کوڑے کرکٹ کا ڈھیر ہے۔

امید اور یقین کی طاقت

آصف بلال آصف

انسان جب مشکل میں ہوتا ہے تو اللہ تعالی کو پکارتا ہے۔۔۔۔۔مدد کے لیے گڑگڑاتا ہے۔۔۔۔۔اس کے ہاتھ دعا بن کر بارگاہ خداوندی میں التجاؤں کا روپ دھارتے ہیں۔۔۔۔۔تب اللہ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور وہ انسان مشکلات سے باہر نکل جاتا ہے۔ اس کا معاملہ حل ہو جاتا ہے۔اس کی زندگی میں اٹھنے والے مشکل سوالوں کے قابل قبول جواب مل جاتے ہیں۔۔۔۔۔اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ دہلیز شکر پر اپنی نیاز مندی پیش کرتا۔۔۔۔۔لیکن یہ بگڑا ہوا انسان جب کامیابی کے جھولے میں بیٹھتا ہے تو شکر کی بجائے تکبر کا احساس اپنے چہرے پر سجائے کامیابی کو اپنا حق سمجھتے ہوئے دل کو پتھر بنالیتا ہے۔۔۔۔۔

بعض اوقات یہ ناشکری اس کی فوری بربادی کا باعث بھی بن جاتی ہے۔۔۔۔۔اور اگر وقتی بربادی کے جال سے وہ نکل بھی جائے تو یہ رویہ اس کو مستقبل قریب میں برباد کر دیتا ہے۔۔۔۔۔اب اگر دیکھا جائے تو یہاں پر بربادی بھی دو اقسام کی ہوتی ہے۔۔۔۔۔

ایک قسم تو یہ ہے کہ وہ معاشی طور پر آزمائشوں کا شکار ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔

دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالی اس کا معاش تو نہیں چھینتا بلکہ اس سے حقِ عبادت چھین لیتا ہے۔۔۔۔۔وہ معاشی لحاظ سے بہتر سے بہترین ہوتا جاتا ہے۔۔۔۔۔جبکہ روحانی لحاظ سے بد سے بدترین ہوتا چلا جاتا ہے۔۔۔۔۔اور دنیا چونکہ نفسانی خواہشات اور ضروریات کے بہترین پورا ہونے ہی کو کامیابی سمجھتی ہے۔۔۔۔۔تو بظاہر وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔اور اس طرح کے کامیاب لوگوں سے ہمارا معاشرہ بھرا پڑا ہے۔۔۔۔۔نفس بندے میں غرور پیدا کرتا ہے اور یہ غرور انسان کو آہستہ آہستہ اپنوں سے دور کرتا چلا جاتا ہے۔۔۔۔۔وہ اپنی تنہائی کو اور اپنے علیحدہ پن کو اپنی بلندی گردانتا ہے اور احساس غرور سے سوچتا ہے کہ کوئی دوسرا اس لائق ہی نہیں کہ اس کے مقام تک پہنچ سکے۔۔۔۔۔لیکن وہ اس بات کا ادراک ہی نہیں کر پاتا کہ اللہ تعالی نے اس سے اس کا حق ِ دعا اور حقِ عبادت چھین لیا ہے۔۔۔۔۔اور وہ پتھر کی بنی ہوئی بلند و بالا عمارت کی طرح بڑا اونچا اور بلند تو نظر آ رہا ہے۔۔۔۔۔لیکن شکر، رحم اور دعا سے دور ہونے کی وجہ سے دنیا کے صنم کدہ میں ایک صنم ہی کی شکل اختیار کر چکا ہے۔۔۔۔۔اس کا دل پتھر۔۔۔۔۔آنکھ پتھر۔۔۔۔۔احساس پتھر۔۔۔۔۔بلکہ پورا وجود پتھر بن جاتا ہے۔۔۔۔۔اور پھر ایک دن جب اللہ کی بے آواز لاٹھی وقت کی گردش میں ارتعاش پیدا کرتی ہے تو اس وقت اس کے قریب کوئی نہیں ہوتا کیونکہ اس نے خود ہی تو اپنے قریب کسی کو رہنے نہیں دیا ہوتا۔۔۔۔۔

جس مال و زر کے زعم پر وہ۔۔۔۔۔میں، میں۔۔۔۔۔کرتا پھرتا تھا وہ سب کچھ تو اب اس کی اولاد کے پاس ہے اور وہ شکستہ وجود کے ساتھ تنہائی میں پڑا ہوا ایک بت ہی تو رہ جاتا ہے۔۔۔۔۔وہ روح جس نے اس بت کو زندہ رکھنا تھا اسے تو اس نے ساری زندگی بھوکا پیاسا رکھا۔۔۔۔۔اور کمزور کر دیا تھا۔۔۔۔۔کیونکہ یہ تو اپنے نفس کو پالتا رہا تھا۔۔۔۔۔پیسے سے۔۔۔۔۔تکبر سے۔۔۔۔۔خود غرضی سے۔۔۔۔۔محبت دنیا سے۔۔۔۔۔منفی سوچ سے۔۔۔۔۔جھوٹ سے۔۔۔۔۔

جبکہ اس کی روح تو خالی تھی۔۔۔۔۔سچے پیار سے۔۔۔۔۔احسان سے۔۔۔۔۔رحم سے۔۔۔۔۔دوستی سے۔۔۔۔۔حقیقی خوشی سے۔۔۔۔۔عبادت سے۔۔۔۔۔دعا سے۔۔۔۔۔شکر گزاری سے۔۔۔۔۔یہی تو وہ عناصر ہیں جن کی وجہ سے روح کی طاقت نے برقرار رہنا تھا۔۔۔۔۔

آج کے دور کا بھٹکا ہوا انسان اپنے تکبر، جھوٹ، رشوت اور منفی کاموں سے اچھائی کے راستے سے دور ہوتا جا رہا ہے۔۔۔۔۔لوگ امید کی کیفیت سے لا تعلق ہو چکے ہیں۔۔۔۔۔جب امید ہی نہیں رہے گی تو یقین کا پھول کیسے کھلے گا۔۔۔۔۔اور اس کی ایک ہی وجہ ہے اور وہ ہے اللہ تعالی سے اور مذہب سے دوری۔۔۔۔۔

ایک اچھی وابستگی انسان کی دنیا اور آخرت دونوں کو ہی بدل دیتی ہے

اللہ کے کچھ عظیم بندے ہمارے اردگرد موجود ہیں جن کے ساتھ وابستگی انسان کے اندر امید اور یقین زندہ رکھتی ہے۔۔۔۔۔ناامیدی دراصل ان حضرات سے دوری کی وجہ سے جنم لے لیتی ہے۔۔۔۔

بدقسمتی سے کئی مریض یہاں تک کہ ڈاکٹر حضرات بھی خدا کی مدد پر اعتماد کھو چکے ہیں۔۔۔۔۔اللہ سے دوری انسان کو روحانی طور پر کمزور کر دیتی ہے۔۔۔۔۔اور یہی روحانی کمزوری امید کی دنیا سے باہر کر دیتی ہے۔۔۔۔۔یہیں سے نفسانفسی کا وہ عالم شروع ہوتا ہے کہ انسان لاکھوں انسانوں میں رہتا ہوا بھی قید تنہائی کا شکار ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔جب تک مریض پورے یقین کے ساتھ اللہ پر بھروسہ نہیں رکھے گا، صحت کا بحال ہونا بڑا ہی مشکل امر ہے۔۔۔۔۔ڈاکٹروں کو بھی چاہیے کے سائنس کے ساتھ ساتھ اللہ پر اعتقاد اور یقین کا سہارا بھی لیا کریں۔۔۔۔۔

تمام زخم مندمل ہو سکتے ہیں اگر میڈیسن کے ساتھ یقین اور ایمان بھی شامل ہو جائے۔۔۔۔۔ڈاکٹر اور خدا کا اتحاد ایک کارنامہ سرانجام دے سکتا ہے۔۔۔۔۔

یہ انداز فکر میڈیکل سائنس اور اللہ پر یقین کامل کا ایک حسین امتزاج ثابت ہو سکتا ہے۔

اب میں آپ کو ایک کہانی سناتا ہوں میرے حلقۂ احباب میں ایک شخص کی کہانی جو کچھ سال پہلے ایک انتہائی تکلیف دہ عارضے میں مبتلا ہو گیا تھا اس کے جبڑے میں سوجن ہو گئی تھی۔۔۔۔۔منہ میں کچھ زخم بھی آ گئے تھے۔۔۔۔۔کثرت سگریٹ نوشی اور

پان کھانے کی وجہ سے معاملہ کافی بگڑ چکا تھا اور وہ اس کا علاج کروانے کے لیے کئی ڈاکٹروں کے کلینکس کی خاک چھانتا پھر رہا تھا۔۔۔۔۔لیکن درد بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔۔۔۔۔اس کے منہ کے اندر کچھ زخم بن چکے تھے جو ٹھیک ہونے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے اور پھر ایک دن وہ اپنے ڈاکٹر کے استفسار پر وہ انمول ہسپتال چلا گیا۔۔۔۔۔وہاں کچھ ٹیسٹوں اور معائنے کے بعد پتہ چلا کہ اس کے منہ کے اندر کینسر کے ابتدائی اثرات موجود ہیں۔۔۔۔۔ سگریٹ نوشی اور پان کھانے کی بہتات نے جوانی میں ہی اسے کینسر جیسی موذی مرض کا شکار بنا دیا تھا۔۔۔۔۔اس اچانک خبر نے اس کے دل پر گہرا اثر کیا تھا۔۔۔۔۔ایک رات کو تنہائی میں روتے ہوئے اس نے سوچا کہ کون میری مدد کرے گا۔۔۔۔۔؟ کس ڈاکٹر کے پاس جاؤں۔۔۔۔۔؟ میرے پاس تو اتنی رقم بھی نہیں ہے کہ کینسر کا علاج کرواسکوں۔۔۔۔۔اس کے اندر ایک طوفانی آہ و بقا شروع ہو چکی تھی۔۔۔۔۔کہ اچانک اس کے پریشان خیالوں کی دنیا میں روشنی کی ایک کرن کوندی۔۔۔۔۔اس کے دل نے کہا کہ اللہ تعالی چاہے تو میں ٹھیک ہو سکتا ہوں۔۔۔۔۔لیکن اللہ تعالی کے ساتھ تو میرے تعلقات ہی ٹھیک نہیں۔۔۔۔۔مجھے یاد ہی نہیں کہ میں آخری بار کب مسجد میں گیا تھا۔۔۔۔۔کب میں نے اپنے رب کو یاد کیا تھا۔۔۔۔۔اس کے اندر ہم کلامی ہونے لگ گئی تھی۔۔۔۔۔اس نے انتہائی بیچارگی کے ساتھ اونچی آواز میں کہا۔۔۔۔۔کہ اے اللہ! تمام لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔۔۔۔۔میں بیماری کے ساتھ تنہا ہو گیا ہوں۔۔۔۔۔تو میرا ساتھ دے، مجھے معاف کر دے، میری حالت پر رحم کر، مجھے اس تکلیف سے نجات عطا فرما دے۔۔۔۔۔جیسے جیسے امید اور یقین سے بھرپور دعائیہ الفاظ اس کے ہونٹوں سے ادا ہوئے تو سالوں سے جمی ہوئی غفلت کی برف اس کے اندر ہی اندر پگھلنے لگ گئی اور اس کی بنجر آنکھیں ساون بن گئیں۔۔۔۔۔وہ خود بتاتا ہے کہ میں سجدے میں گر پڑا اور اپنے رب کے سامنے اپنی بے حسی اور غفلت کی معافیاں مانگنے لگا۔۔۔۔۔میں سجدے میں گرا ہوا اپنے رب کے سامنے اپنی نیازمندی پیش کر رہا تھا۔۔۔۔۔یہ سجدہ کتنا طویل اور کتنا لذیذ تھا۔۔۔۔۔مجھے یاد نہیں۔۔۔۔۔میں اس رب عظیم کے سامنے سجدہ ریز تھا۔۔۔

جس نے سورج کو روشنی کی ردا اور چاند کو نور کی قبا پہنائی ہے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔جس نے پھولوں کو مہک اور تتلیوں کو رنگوں کا لباس پہنایا ہے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔جس نے تاروں کو چمک کا لہجہ اور کلیوں کو چٹک کی آواز عطا کی ہے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔جس نے آسمان کو رفعت کا تاج اور سمندروں کو وسعت کا تخت بخشا ہے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔جس نے زمین کو زرخیزی کی نعمت اور دریاؤں کو بہاؤ کا حسن عطا کیا ہے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔جس نے انسان کو بیان کا وصف اور نزول قران کا شرف بخشا ہے۔۔۔۔۔

اس رب عظیم کے آگے سجدہ ریزی میں گزارا ہوا ایک ایک لمحہ ہفت اقلیم کی بادشاہی سے ہی بڑھ کر تھا۔

اگر انسان اللہ کو امید اور خوف کے ساتھ یاد رکھیں تو وہ اللہ اپنے اس بندے کو درگزر اور رحمت کے ساتھ یاد رکھتا ہے۔۔۔۔۔وہ اٹھا اس نے وضو کیا اور نماز ادا کرنے لگ پڑا۔۔۔۔۔وہ کوئی مذہبی آدمی نہیں تھا۔۔۔۔۔وہ کب سے مسجد میں نہیں گیا تھا، خود اسے یاد نہیں تھا۔۔۔۔۔لیکن آج اس نے اللہ کو پکارا تو اللہ نے اس کی دعا سن لی نماز کے بعد وہ قران پاک پڑھنے گیا جس سے اس کے دل میں ایک ایسا اطمینان اترا کہ جو ذائقہ اس نے پہلے کبھی محسوس ہی نہیں کیا تھا۔۔۔۔۔اس نے باقاعدگی سے نماز شروع کر دی ، روزانہ قران پاک کی تلاوت شروع کر دی اور اپنا علاج بھی جاری رکھا۔۔۔۔۔اس یقین کے ساتھ کہ اللہ اسے شفا بخش دے گا۔۔۔

یقین کا پہلا قدم ہی آپ کو بہترین انجام تک لے جاتا ہے

اللہ تعالی نے اپنے اس بندے پر اپنا کرم کیا اور وہ معجزاتی طور پر ٹھیک ہونے لگا۔۔۔۔۔کئی سال علاج کروانے کے بعد جب اس کے ڈاکٹر نے اس کے ٹیسٹ وغیرہ کیے تو اس کی بیماری غائب ہو چکی تھی۔۔۔۔۔رات کی تنہائیوں میں اللہ اللہ کے ذکر نے وہ کام کر دکھایا تھا کہ اس کے تمام زخموں کا اندمال ہو چکا تھا۔۔۔۔۔

زخم کتنی دیر میں بھرے ہیں۔۔۔۔۔میں نے اس سے پوچھا تھا۔

چار سال کا عرصہ لگ گیا ہے۔۔۔۔۔اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں اس کی شخصیت کا جائزہ لینے لگ گیا مضبوط اور قدآور جسم اور اب کاروبار کے لحاظ سے بھی بے حد کامیاب۔۔۔۔۔قدرت کی مہربانیوں کے ساتھ ساتھ ڈاکٹروں کا تعاون بھی اسے حاصل تھا۔۔۔۔۔اللہ پر امید اور یقین اس کی صحت کا ضامن تھا۔۔۔۔۔بلکہ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ دوائیوں کا وہ اثر نہیں تھا جو یقین اور اعتماد میں تھا کہ اللہ نے اسے شفا عطا فرما دی تھی۔۔۔۔۔

آج کل انسان خوف، تشویش ، پزمردگی اور آزردگی جیسی بیماریوں میں مبتلا ہے۔۔۔۔۔ان بیماریوں سمیت سب تکلیفوں کا ایک عظیم معالج اللہ تعالی ہے۔۔۔۔۔جس پر اعتماد کرنے سے ہر بیماری کا حل نکل آتا ہے۔۔۔۔۔اور جب انسان اللہ کی طرف پلٹتا ہے۔۔۔۔۔تو اس کے لہجے میں جوش، کشش، سکون اور خوشی کا ایک حسین امتزاج شامل ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔

بیماریوں کے تدارک کے لیے اور دل و دماغ کو پرسکون رکھنے کے لیے وہ یقین ضروری ہے جو تمام دکھوں کو مندمل کر دیتا ہے۔۔۔۔۔

اس کے لیے چند باتوں کو ضرور مدنظر رکھنا چاہیے:

1۔ بیماری کی حالت میں اپنے مرشد کریم سے اسی طرح رجوع کریں جس طرح آپ ڈاکٹر سے مشورہ کرتے ہیں۔

2۔ ڈاکٹر کی قابلیت کو بھی تسلیم کریں لیکن خدا کی عظمت کو بھی پہچانیں جو انسان کی رگ رگ سے واقف ہے اور ہر طرح کے علاج پر قدرت رکھتا ہے۔

3۔ خوف اور دہشت کو اپنے قریب نہ آنے دیں ان سے منفی خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ جو مایوسی کی طرف لے جاتے ہیں۔

4۔ خاندان میں ہم آہنگی لازمی ہونی چاہیے۔ اس کو روحانی دلچسپی بھی کہا جا سکتا ہے۔

پاسبانِ فکر اسلامی.....اعلیٰ حضرت

غلام مصطفی رضوی

اللہ کریم کی حکمت ہے کہ ہر عظیم شخصیت کو زمانی ضروریات وتقاضوں کے مطابق نوازتا ہے۔ عہدِ غزالی و عہدِ غوثیت میں فلاسفہ کا زور تھا، اس لیے انھیں فلسفۂ خام کے مقابل اسلامی حکمت ودانش سے پُر علم عطا کیا گیا۔ عہدِ غزالی میں نظریاتی برائیوں اور شعور سے وراءُ الوریٰ عقائد کے انکار کی مادی فکر کے مقابل فلسفۂ اسلامی کی بلندیوں سے نواز کر اصلاحِ عقیدہ کا ساماں کیا گیا۔

عہدِ غوثیت میں طبِ یونانی کی تدقیق نے طبی ایجادات میں کمال دکھایا، علم وتحقیق میں خدائی انعامات سے نوازے جانے کے باوجود تکبر نے انسان کو دھریت کا شکار بنایا؛ ایسے میں توحید کی عظمتوں کو راسخ کرنے کے لیے حضور غوث اعظم کو بے پناہ کرامتوں کا ادراک بخشا گیا۔

مجدد الفِ ثانی کے دور میں عظمت توحید پر حملہ تھا، انھیں توحید کی ناقابلِ تردید سچائیوں کے اظہار کے لیے عقلی وروحانی علوم سے آراستہ کیا گیا۔ یوں ہی عہدِ استعمار میں ناموسِ رسالت پر چہار جانب سے حملہ تھا، آریا، انگریز واُن کے ہمنواؤں کی یورش نے ناموسِ رسالت پر شب خوں مارا، ان حالات میں مشیت نے استدلال کی ناقابلِ تردید صلاحیتوں سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو نوازا، اور محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درس سے آپ نے اسلام کی عظیم خدمت انجام دی۔ خلافِ شریعت راہوں کا خاتمہ کیا، منکرات کے مقابل راہِ سُنّت کو اُجاگر کیا۔ بے شرع پیروں کے خلاف آپ نے فتاوے صادر فرمائے۔

امام احمد رضا کے عہد میں سائنس وفلسفہ کا بڑا زور تھا، انگریز نے ایجادات وسائنسی ترقیات کے ذریعے یہ گمان کر لیا تھا کہ اب اسلامی عقائد؛ سائنس کے سامنے زیر اور سپر ہوجائیں گے اور اگلی صدیاں سائنس کے غلبے کی ہوں گی۔ ایسے میں اسلامی عقائد کے تحفظ کے لیے آپ نے سائنس وفلسفہ کے مقابل قرآنی حقائق پیش کیے اور ''سائنسی نظریات کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھنے'' کی فکر دے کر فکری ومادی حملوں سے اسلام کا تحفظ کیا۔

اس ضمن میں آپ نے اسلامی فکر دی؛ قرآن وسائنس سے نصرانی سائنسی افکار کی تردید میں علم وفن کے جوہر دکھائے؛ ان کے جلوے: فوزِ مبین در ردِ حرکتِ زمین؛ نزولِ آیاتِ فرقان بسکونِ زمین وآسمان؛ الکلمۃ الملہمۃ؛ کشف العلۃ؛ معین مبین بہرِ دورِ شمس وسکونِ زمین'' میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں، ان میں علمِ لدنی کے وہ جلوے دکھائے ہیں؛ جن کے مطالعہ سے علمی بلندی اور ایمان کی تازگی حاصل ہوتی ہے۔

فکر اسلامی کی پاسبانی

(1) امام احمد رضا نے فکر ونظر کو قرآن وسُنّت کی طرف موڑ دیا، جس پر آپ کی ایک ہزار کے قریب کتابیں شاہد ہیں۔

(2) آپ کے فتاویٰ میں اسلاف کی عظمتیں موجود ہیں، مختلف فیہ مسائل میں استدلال کی قوت سے ''قولِ فیصل'' کا صدور اور اختلاف کو رفع کر دینا وہ خوبی ہے جو فقیہانہ شان اُجاگر کرتی ہے۔ چشم کشا کو ''فتاویٰ رضویہ'' (جدید ۳۰ر مجلدات؛ قدیم ۱۲ر مجلدات) کافی ہے۔ جس کی گہرائی وگیرائی کو اقبالؔ، کوثرؔ نیازی اور نزہۃ الخواطر میں علی میاں ندویؒ نے خراج تحسین پیش کیا ہے۔

(3) معاشرتی برائیوں کے خاتمہ کے لیے جو کتابیں لکھیں وہ اصلاحی وتجدیدی شان ظاہر کرتی ہیں۔ ایسی کتابیں سو سے زائد ہیں۔ جس پر ''امام احمد رضا اور رد بدعات'' از یٰسین اختر مصباحی شاہد ہے۔

(4) قرآن مقدس کے بعد کثیر احادیث سے استدلال وہ خوبی ہے جو بے مثل ہے، عموماً معاصرین کے یہاں کسی موضوع پر دلیل میں چند احادیث پر ہی اکتفا ملتا ہے، آپ ایک موضوع پر درجنوں اور کہیں تو سینکڑوں احادیث سے مع روایت ودرایت استنباط کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ کی محدثانہ بصیرت پر ''جامع الاحادیث'' دس جلدوں میں مولانا حنیف خان رضوی نے مرتب کی؛ جس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں نیز مولانا عیسیٰ رضوی کی متعدد جلدوں میں تحریر شائع ہو چکی ہے۔

(5) خانقاہوں میں غیر شرعی رسوم کے خلاف قلمی کاوش اور دائرۂ شرع میں ہونے والے عوامل کی حمایت میں مدلل فتاویٰ بے نظیر ہیں۔ اس طرز کے بعض فتاویٰ عربی ترجمہ بھی ہو چکے ہیں۔ بعض رسائل انگلش میں ترجمہ ہو کر مطبوع ہیں۔

(6) شان یہ ہے کہ خدماتِ دینیہ کے اعتراف میں موافق ومخالف سبھی رطب اللسان ہیں۔ جس پر درجنوں کتابیں حیطۂ تحریر میں آچکی ہیں۔

(7) معاصر علمائے عرب نے زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا، جن میں ائمۂ حرمین شریفین، مکہ معظمہ و مدینۂ منورہ؛ شام ومصر اور فلسطین کے قدآور علما واساتذہ و محدثین نے نوع بہ نوع القاب سے نوازا۔ جس کی تفصیل ''امام احمد رضا اور عالم اسلام'' از پروفیسر محمد مسعود نقشبندی میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ راقم نے بھی اپنے دو مقالات میں اس رخ سے تحقیق پیش کی ہے۔

(8) تحقیق وتدقیق کے رُخ سے گزری کئی صدیوں میں واحد شخصیت ہے؛ جس پر عالمی جامعات ویونیورسٹیوں میں اس قدر سرعت کے ساتھ P h . D. M.Phil،M.Ed. وغیرہ کے لیے مقالات وThesis لکھے گئے۔

(9) شام ومصر، یمن وعراق کی درس گاہیں آپ کی علمی تحقیقات کو اجاگر کر رہی ہیں۔ اربابِ علم ودانش

حروف محبت

قبلہ شاہ جی کی ایک تحریر سے متاثر ہو کر لکھے گئے

عشق حیدر کے سمندر کا کنارہ شاہ جی — چادر زہرا کا ہے آپ پہ سایہ شاہ جی
جلد ہو آپ کی تفسیر مکمل شاہ جی — خلقت دہر کرے فیض اکٹھا شاہ جی
آپ نے دی ہمیں قرآن کی تبلیغ کی راہ — اب تو چلنا ہے ہمیں اس پہ ہمیشہ شاہ جی
آپ کے قرب سے آتی ہے بخشش کی پھوار — آپ ہیں خلد میں جانے کا وسیلہ شاہ جی
آپ کے زہد میں تقویٰ میں جھلک حیدر کی — علم کے ہر باب کی ہر فصل کا مصدر شاہ جی
آپ کا سایہ ہو ہم پہ تا قیام محشر — دیکھتے ہم رہیں بس آپ کا چہرہ شاہ جی
آپ کے قدموں میں بیٹھا ہے یہ عاجز اعزاز — اپنے قدموں سے جدا اس کو نہ کرنا شاہ جی

سید علی اعزاز شاہ بخاری

آپ کی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں۔عربی زبان میں درجنوں کتابیں شائع ہیں۔یوں ہی ترکی سے حدائق بخشش کا ترکی ترجمہ مطبوع ہے۔

(10)درجنوں نصابی کتابوں میں آپ کی نگارشات کی شمولیت مقبولیت کا اظہار ہی تو ہے۔ نیز عدالتوں اور کورٹوں میں شرعی فیصلوں کے ضمن میں آپ کے معرکہ آرا فتاویٰ سے استفادہ مقبولیت کا نشاں ہے۔

اسلامی اقدار کا محافظ

(1)امام احمد رضا نے فرقہ پرستوں کے فتنہ وحرب سے اس وقت مسلمانوں کو باخبر کیا جب کہ اس قدر نقصان نہیں ہوا تھا،اس دور میں گاندھی کے سائے میں بڑے بڑے اصحابِ جبہ پناہ گزیں تھے، کاش! مشرکوں سے متعلق مسلمان آپ کی آواز پر بیدار ہو لیتے تو ہزاروں فسادات جھیلنے نہ پڑتے اور مسلمانوں کی حق تلفی کا تسلسل بھی شاید ظہور میں نہ آتا۔

(2) تحریکِ ترکِ موالات نے مسلمان اساتذہ کی جائز ملازمتیں چھڑائیں،طلبا کو تعلیم سے کاٹ دیا، مسلمان جاہل اور مشرک تعلیم یافتہ ہوئے، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور مدرسہ عالیہ کلکتہ تباہ ہوئے؛ اور ہندو یونیورسٹی بنارس پھلی پھولی، یہیں سے مسلمان تعلیمی میدان میں ایسے پیچھے ہوئے کہ اب تک سر نہ اُٹھا سکے، امام احمد رضا نے شرعی بنیادوں پر ترکِ موالات کی مخالفت کی تھی، آپ کی مومنانہ فراست مستقبل کے خدشات دیکھ رہی تھی، مسلمان آپ کے فتاویٰ پر عمل کر لیتے تو تعلیمی پستی نہ آتی اور سچر کمیٹی کی رپورٹ کا منفی ریمارک مشاہدہ نہ ہوتا۔

(3) یورپی و یہودی مصنوعات کا بائیکاٹ آج ہو رہا ہے، ۱۹۰۱۲ء میں امام احمد رضا نے ''تدبیرِ فلاح و نجات و اصلاح'' میں مسلم پروڈکٹس کے استعمال کی فکر دی تھی؛ صنعت وحرفت اور بینکنگ کی ترغیب دی تھی؛ جس پر عمل کیا جاتا تو مسلم معیشت Strong ہوتی اور مسلمان یہود ونصاریٰ کے دستِ نگر نہیں ہوتے۔

(4) ۱۹۰۱۲ء میں بلاسودی بینکاری کا جو نظریہ آپ نے دیا تھا وہ مسلم معیشت کے عروج کا اشاریہ تھا۔

(5) آپ نے اسلامی تمدن کی بقا کے لیے انگریزی تمدن سے ہر رُخ سے نفرت کا درس دیا اور نصاریٰ کی تذلیل کی۔

(6) مسلم تشخص کے لیے اسلامی شعائر پر عمل کی ترغیب دی۔مشرکین ونصاریٰ کے مراسم کی سخت مذمت کی۔جن پر آپ کی متعدد کتابیں موجود ہیں۔مسلمانوں کو مرتد بنانے والی ''شدھی کرن'' تحریک کے مقابل جماعت رضائے مصطفی قائم کر کے لاکھوں افراد کے ایمان کی حفاظت کی۔

(7) مسلمانوں میں عملی اتحاد کے لیے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درس پیش کیا۔

(8)ادبی نقطۂ نظر سے ذہنی عیاشی کے عہد میں ''نعت'' جیسی پاکیزہ صنف میں شاعری کی اور مسلم امہ کو مدینہ امینہ سے مربوط کر کے یہود ونصاریٰ کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ آپ کا قصیدۂ سلامیہ ''مصطفی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' عالمِ اسلام کا اردو میں قومی ترانہ بن چکا ہے۔

(9) مادی ہنگام کے درمیان اسلامی روحانی نظام کی بقا کے لیے آپ نے قادری سلسلہ میں بیعت وارشاد کے ذریعے لاکھوں افراد کو توبہ کرائی، آپ کا سلسلہ عالم اسلام میں بڑا پھیلا ہوا ہے، جس کی اس دور میں سب سے زیادہ توسیع حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان قادری ازہری علیہ الرحمۃ نے کی؛ نیز دیگر مشائخ کرام نے بھی سلسلے کو فروغ بخشا۔

(10) آپ کا ترجمۂ قرآن کنزالایمان روحِ قرآن سے قریب، مؤدب، لسانی خصوصیات کا حامل، جامع، اردو کا سنگھار، حلاوتِ ایمانی کا مظہر اور مقبولِ عام ہے۔جس کی اشاعت لاکھوں میں ہوتی ہے۔ گیارہ زبانوں میں اس کے ترجمے چھپ چکے۔

ایسے جلیل القدر بندۂ مومن کی یاد تازہ کرنا در حقیقت مسلمانوں کے شان دار ماضی کو حال سے جوڑنے، اور وقار کی بحالی کا باعث ہوگا، امام احمد رضا حوصلہ افزا تاریخ کا استعارہ ہیں۔ جن کی نگارشات کا مطالعہ ''ہر لحظہ نیا طور، نئی برقِ تجلی'' کا لطف دیتا ہے۔

بچوں کی کردار سازی میں والدین کی ذمہ داریاں

ماسٹر احسان الٰہی

فی زمانہ موبائل اور انٹرنیٹ نے جہاں بہت سی آسانیاں پیدا کی ہیں ۔ منٹوں میں پوری دنیا کے حالات وواقعات سے آگاہ ہوجانا بائیں ہاتھ کا کھیل بن گیا ہے وہیں کئی قباحتیں بھی پیدا ہوگئی ہیں ۔نوجوان نسل کے ہاتھ میں موبائل کسی بلائے جان سے کم نہیں ہے۔اس پہ موبائل کمپنیوں کے پیکجز اور انٹرنیٹ کی ہمہ وقت دستیابی نے نوجوان نسل کی زندگی کا رخ ہی موڑ دیا ہے۔ ہر وقت موبائل پہ گفتگو، میسجز اور انٹرنیٹ پہ سوشل ہونا فیشن بن گیا ہے ۔ سڑک پر چلتے ، گاڑی چلاتے ، کہیں آتے جاتے ہر منظر میں موبائل ہاتھ اور کان سے چپکا نظر آتا ہے۔ سوشل میڈیا خاص طور پر فیس بک پہ دنیا بھر سے روابط نے انسانی زندگی جہاں بہت آسان بنادی ہے وہاں مفلوج بھی کر کے رکھ دی ہے۔ پہلے لوگ ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے اور حال احوال سے واقفیت رکھا کرتے تھے مگر اب بجائے خاندان اور محلے کی محبت کے سوشل محبت پروان چڑھ رہی ہے۔ گھر کے ہر فرد کا اپنا حلقہ احباب ہے اور اس حلقے میں اپنی مرضی کی گفتگو اور اپنی مرضی کے لوگوں سے روابط رکھے جاتے ہیں ۔ ایک ہی گھر میں رہنے والے کئی دنوں تک ایک دوسرے کے جذبات اور احساسات سے آشنا نہیں ہوتے ۔ فاصلے بڑھتے جا رہے ہیں اور محبتیں سمٹتی جا رہی ہیں ۔ ایک ہی کمرے میں چند افراد موجود ہیں تو ایک دوسرے سے بیگانہ بنے محسوس ہوتے ہیں ۔ ہاتھوں میں جو موبائل لیے اپنی ہی دنیا میں مست نظر آتے ہیں ۔ گھر میں بیٹھے لوگوں کو ایک دوسرے کے حال سے واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے طرح طرح کے انسانیت سوز واقعات رونما ہوجاتے ہیں اور پتہ اس وقت چلتا ہے جب پانی سر سے اونچا ہوجاتا ہے ۔ چھوٹی عمر کی نوجوان لڑکیوں کے پاس جب والدین کی بے پرواہی اور حد سے زیادہ لاڈ پیار کی وجہ سے ان کے ہاتھوں میں موبائل آتا ہے تو وہ اس میں دلچسپی لیتے ہوئے بہت سی مذہبی اور معاشرتی پابندیوں کو بھول جاتی ہیں ۔ ماں باپ کی عدم توجہی انہیں بے راہ روی پر مجبور کر دیتی ہے۔ خوش رنگ خواب اور سپنے انہیں کسی اور ہی دنیا کی سیر کروا دیتے ہیں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ سماجی برائیوں کا شکار ہوکر اپنی عصمت کا موتی لٹا بیٹھتی ہیں۔

موبائل جدید دور کی ایک فائدہ مند ایجاد ہے مگر جب اس کا استعمال غلط ہو تو بہت سے مسائل جنم لیتے ہیں ۔ نوجوان نسل کے لیے اس کا استعمال زندگی اور موت کا مسئلہ ہے اور اگر کسی وجہ سے سروس بند ہوجائے اور سگنل آف ہوجائیں تو لگتا ہے کہ جیسے دنیا میں اندھیرا چھا گیا ہے۔ تعلیمی اداروں میں موبائل فون پر پابندی کے باوجود طلباء چوری چھپے موبائل استعمال کرتے ہیں۔ کہیں اپنی کسی ٹیچر سے محبت میں گولیاں پھانک رہے ہیں اور کہیں کسی کلاس فیلو کا عشق نصاب اور تعلیم پر حاوی ہو رہا ہے ۔ اسلامی یونیورسٹی بہاولپور کا واقعہ ہر دردِ دل رکھنے والے پاکستانی کو خون کے آنسو رلا رہا ہے۔

کہ والدین اپنے بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے لیے تعلیمی اداروں کو بھیجتے ہیں لیکن وہاں کوئی اور ہی تعلیم پروان چڑھ رہی ہوتی ہے۔ میرا جسم، میری مرضی کا کلچر فروغ پائے گا تو یہی نتائج برآمد ہوں گے۔ طلباء کے ساتھ ساتھ اساتذہ بھی جو قوم کے معمار ہیں اس گھناؤنے اور مکروہ دھندے میں اشنان کر رہے ہیں اور تعلیمی اداروں اور ہاسٹلوں میں سیاسی شخصیات کی آمد اور ان کا اثر و رسوخ جلتی پر تیل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسلامی یونیورسٹی بہاولپور کی روح فرسا داستان تو کسی طرح لیک ہوکر منظرِ عام پر آ گئی اور پھر جو ویڈیوز سامنے آئی ہیں کہ شراب نوشی کے ساتھ ساتھ جو غل غپاڑہ اور جنسی بے راہ روی کے طومارِ بدتمیزی سامنے آئے ہیں ان کو دیکھ کر ہنود و یہود کا رنگ بھی پھیکا پڑ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر سرکاری و پرائیویٹ اداروں میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ خدا ہی جانے؟

پنجاب یونیورسٹی و دیگر یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیم اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی دوستیاں پارکوں اور کینٹینوں میں الگ الگ جوڑوں کی طرح بیٹھنا کہاں کی تعلیم ہے ۔ ایک جگہ پڑھا کہ کسی نے سوال کیا ایک عورت کو خلوت میں پڑھانا جائز ہے۔ تو اسے جواب دیا گیا پڑھانے والا حسن بصری ہو، پڑھنے والی رابعہ بصری ہو اور تعلیم بھی قرآن کی دی جا رہی ہو اور درسگاہ خانہ کعبہ ہو تو پھر بھی خلوت میں مرد کا عورت کو پڑھانا جائز نہیں۔

پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں خاص طور پر اساتذہ سکول میں سٹیٹس کے نام پر نت نئے طریقوں سے طلبا کو دنیا کے طور طریقے (Etiquette) سکھاتے اور Status کی دوڑ میں بھاگنا سکھاتے ہیں جو بعض دفعہ غلط استعمال کی وجہ سے ٹریک سے ہٹ جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اینڈرائڈ (Android) موبائل فون پر مختلف ایپس (Apps) نے دنیا بھر میں کمیونیکیشنز آسان کر دی ہیں۔ خاص طور پر ایمو، واٹس ایپ اور فیس بک کا روزمرہ استعمال بڑھ گیا ہے اور ایک دوسرے سے منٹوں میں شناسائی اور فاصلوں کو کم کرنے کا سبب بنتا ہے۔ تصاویر، ویڈیوز اور کلپس بھیجنا آسان ہے۔ مختلف گروپس میں لوگ سوشل ہوتے ہیں اور پھر ذاتی گفتگو پہ چلے جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کو رابطہ نمبر اور تصاویر بھیجی جاتی ہیں۔ ہلکی پھلکی گفتگو، سنجیدہ موضوعات سے ہوتی ہوئی ساتھ زندگی گزارنے تک چلی جاتی ہے۔

ایک دوسرے کو دیکھے بنا جینے مرنے کی قسمیں کھائی جاتی ہیں اور پھر بات میل ملاقات تک پہنچ جاتی ہے جو گھر والوں سے چوری کی جاتی ہے۔ ایسے

موقعوں پر اگر گھر والوں کو پتہ چل جائے تو وہ سختی کرتے ہیں تب نوجوان سمجھتے ہیں والدین اور گھر والے ان کے دشمن ہیں، ان سے محبت نہیں کرتے اور ان سے محبت کرنے والوں سے جدائی ڈال کر ان کی راہ کی رکاوٹ بن رہے ہیں۔ وہ والدین جو ساری عمر اولاد کی خاطر خون پسینہ ایک کرتے رہتے ہیں تاکہ ان کے بچے کسی مقام تک پہنچ جائیں اور بہتر مستقبل کے ساتھ زندگی گزاریں وہی بزرگ ان نوجوانوں کو اپنے دشمن اور بیری نظر آتے ہیں۔ والدین بھی پہلے لاڈ پیار سے اولاد کو بگاڑتے اور جب ایسا کوئی واقعہ ہو جائے تو ڈکٹیٹر بن جاتے ہیں جب کہ ایسے موقعوں پر سمجھداری کا ثبوت دیتے ہوئے بچوں کو پیار سے سمجھانا اور انہیں اچھے برے کی تمیز اور نفع ونقصان سے آگاہ کرنا چاہیے۔

اول تو بچوں پر دوران تعلیم سختی سے نظر رکھی جائے اور ان کے معمولات کو چیک کرتے رہنا چاہیے۔ اگر پھر بھی اولاد ہاتھ سے نکل جاتی ہے اور والدین کے قابو میں نہیں آتی ہے اور بغاوت کرنے پر اتر آتی ہے تو ان کے مسائل حل کر کے ان میں احساس ذمہ داری پیدا کرنے کی کوشش کریں ۔ دیکھا گیا ہے کہ جب والدین سختی کرتے اور بچوں کی بات سننے سے انکار کرتے ہیں تو موبائل پر غیروں سے تعلق اور گھر سے بھاگنے کے واقعات ہزاروں اور سینکڑوں کی تعداد میں منظرِ عام پر آچکے ہیں اور اخبارات اور میڈیا پر ہر روز کوئی نہ کوئی نواں کٹا کھلا ہوتا ہے ۔ جب کہ اسی زمرے میں زنا، قتل اور اغوا وغیرہ کے واقعات بھی رو نما ہوتے اور پیش آتے رہتے ہیں ۔ گھر سے بھاگنے والوں کی کثیر تعداد کسی نہ کسی این جی او کی پناہ میں جا کر اپنے گھر والوں کو نکاح نامہ بھیج دیتی ہے ۔ گھر والوں سے بچنے اور ان کے خوف سے عدالت سے تحفظ مانگتی ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ دنیا کی کونسی عدالت گھر سے زیادہ تحفظ دے سکتی ہے اور کونسا دار الامان والدین سے زیادہ حفاظت اور محبت سے پیش آ سکتا ہے ۔ دوسری طرف گھر سے بھاگ جانے والوں کو جب غلطی کا احساس ہوتا ہے تو وقت ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے ۔ لڑکے گھر والے گھر سے بھاگی لڑکی کو قبول نہیں کرتے اور عصمت کا موتی لٹا کر یہ بے وقوف لڑکی ساری عمر کسی گمنام جگہ پر عورت ہونے کی سزا پاتی رہتی ہے ۔ اسی حوالے سے ایک اور تاریک پہلو یہ بھی ہے کہ گھر میں مساوی سلوک نہ ہونے کی بنا پر لڑکی احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتی ہے اور موبائل کے ذریعے دوستوں میں دکھ بھلانے اور دوستوں کے نادر مشوروں پہ عمل کرتے ہوئے گھر کے باہر چور رستوں سے نکلتی اور اپنی متاعِ عزیز گنوا بیٹھتی ہے ۔ ایسی بے وقوف لڑکیوں کو پتہ ہونا چاہیے کہ عصمت کے موتی سے بڑھ کر کسی عورت کے لیے کوئی دولت نہیں ہوتی ۔ یہ نہ ہو تو عورت کے دامن پہ لگا ذرا سا دھبہ ساری عمر نہیں جاتا۔ ایک اور قابل توجہ بات یہ بھی ہے کہ مائیں اپنی بچیوں کو شاپنگ و درزنوں کے پاس کزنز کے ساتھ بازار بھیج دیتی ہیں کہ ابھی بچی ہی تو ہے کچھ نہیں ہوتا اور پھر وہ کچھ ہو جاتا ہے جو نہیں ہونا چاہیے۔

فحش مواد کا نشہ

ماہرین کا کہنا ہے کہ فحش فلموں کی عادت بھی منشیات کی طرح ہوتی ہے ۔ یہ لت کسی کو ایک بار لگ جائے تو اس سے جان چھڑانا مشکل ہو جاتی ہے ۔ باقاعدگی سے فحش مواد دیکھنے والے اس کے اسی طرح عادی ہو جاتے ہیں جیسے نشئی نشے کے عادی ہو جاتے ہیں فلمیں اخلاق کے ساتھ ساتھ دماغ کو بہت زیادہ متاثر کرتی ہیں۔ ایسی فحش فلمیں دیکھنے سے انسان کے دماغ میں کیمیکل ''ڈوپامین'' کا اخراج بڑھ جاتا ہے جس سے انسان کو سکون ملتا ہے۔ روزانہ کی بنیاد پر فحش وڈیوز دیکھنے سے دماغ اس کیمیکل کے حوالے سے بے حس ہو جاتا ہے اور اس کی کم مقدار خارج ہونے پر دماغ پر سکون نہیں ہوتا جس کے لیے اس شخص کو زیادہ فلمیں دیکھنا پڑتی ہیں اور وہ ان فلموں کا عادی ہوتا چلا جاتا ہے ۔ دماغ کے اس طرح بے حس ہونے سے انسان ذہنی دباؤ کا شکار رہتا ہے ۔ تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق فحش فلموں کے عادی شخص کا دماغ بالکل منشیات کے عادی افراد کی طرح سے کام کرتا ہے۔ فحش فلموں کے دیکھنے کا خیال آتے ہی اس کا دماغ چمکنے لگتا ہے لیکن جب اسے فحش فلمیں دیکھنے کو نہ ملیں تو پژمردہ اور ذہنی پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے۔

گوگل کی تازہ ترین رپورٹ کے مطابق پاکستان ایک بار پھر انٹرنیٹ پر سب سے زیادہ فحش مواد دیکھنے والا ملک بن گیا ہے۔ پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی نے پاکستان میں تقریباً چار لاکھ فحش ویب سائٹس کو بلاک کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکی ہے کیونکہ یا تو وہ اس مقصد کے حصول میں مخلص نہیں ہیں اور پاکستانی قوم نے عزم کر رکھا ہے کہ ہر ممکن طریقے سے وہ فحش سائٹس پر پہنچ کر ہی رہے گی ۔ چھوٹے چھوٹے بچے اور بچیاں اس قدر ماہر ہو گئے ہیں کہ معمول سی کوشش سے پراکسی (Proxy) لگا کر اپنی من پسند ویب سائٹس سے محظوظ ہو رہے ہیں ۔ پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی کو چار لاکھ فحش سائٹس بلاک کرنے سے پہلے چند ہزار پراکسی سائٹس کو بھی بند کرنا چاہیے تھا۔ پوری دنیا میں فحش مواد دیکھنے میں جو دس ممالک سرفہرست ہیں۔ ان میں سے پہلے چھ ممالک اسلامی ہیں ۔ پاکستان کے بعد مصر کا نام آتا ہے ۔ اس کے بعد ایران، مراکش، سعودی عریبیہ اور ترکی کا نمبر آتا ہے ۔ جدید تحقیق کے مطابق فحش مواد دیکھنے سے انسانی دماغ بری طرح متاثر ہوتا ہے ۔ قوت حافظہ کمزور ہوتی ہے ۔ انسان احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے اور زندگی میں آگے بڑھنے اور مثبت سوچ کا جذبہ ماند پڑ جاتا ہے۔ چہرے کی تازگی، رونق اور خوبصورتی بری طرح متاثر ہوتی ہے ۔ لہٰذا نئی نسل کو بے راہ روی سے بچانے کی خاطر فحش مواد دیکھنے کے مختلف ذرائع کا خاتمہ بہت ضروری ہے ۔ جن میں سے موبائل فونز، انٹرنیٹ، سی ڈیز، فلیش ڈرائیوز، ڈش ٹی وی وغیرہ شامل ہیں ۔ سی ڈیز سنٹرز اور موبائل سنٹروں کے خلاف سخت قانونی کاروائی ہونی چاہیے۔

امریکہ کے ایک معروف جریدے میں بھی ایک رپورٹ پڑھنے کا موقع ملا کہ پاکستان جیسے مہذب ملک جہاں مذہب لوگوں کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ جہاں فحش گفتگو معیوب فعل جانا جاتا ہے۔ اسلام اور پاکستانی پینل کوڈ کے تحت گناہ، جرم اور غیر قانونی فعل ہے اور اس بارے بات کرنا یا خیال کرنا ناپسندیدگی اور حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے لیکن حیران کن امر یہ سامنے آیا ہے کہ فحش ویڈیو، تصاویر اور مواد دیکھنے میں پاکستانی دنیا میں دوسرے نمبر پر ہیں۔ انٹرنیٹ سرچ ٹریفک میں حیران کن لحاظ سے پاکستان کی شرح سب سے بلند ہے اور گوگل سرچ پر فحش مواد کی تلاش میں دوسرے نمبر پر پاکستان ہے اور کینیا سرِ فہرست ہے۔ عادی فحش بینوں کی 50 فیصد تعداد شادی سے باغی ہو جاتی ہے۔ کم عمری میں اس عادت بد کا شکار ہونے والے ذہنی کے ساتھ ساتھ جسمانی نقصان بھی اٹھاتے ہیں ۔ یہ پاکستان کے نوجوانوں اور حکمرانوں کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہے۔

میں حیران ہو کھلوتا واں
ایہہ قوم کدھر پئی جاندی اے

مائیں اپنی آنکھیں کھول کر رکھیں

دنیا میں ماں سے زیادہ قابل بھروسہ رشتہ کوئی نہیں۔ ماں اپنے بچے کی عصمت کی حفاظت چاہتی ہے تو سگے رشتوں پر بھی گڑی نظر رکھے۔ بہن بھائی میں فاصلہ رکھا جائے۔ بھائی بھائی میں فاصلہ رکھا جائے۔ باپ، بیٹے اور بیٹی سے فاصلہ رکھا جائے۔ جب ان رشتوں میں جسمانی فاصلہ شیطان سے بچنے کے لیے ضروری ہے تو باقی رشتوں کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے؟ ایک چند برس پہلے کی کہانی یاد آئی کہ جہلم کے ایک گاؤں میں سگے بہن بھائی نے شادی کر لی۔ باپ غم سے دیواروں سے ٹکریں مارتا رہ گیا۔ شادی تو بعد میں ہوئی تعلقات پہلے سے قائم ہو گئے تھے۔ قوم لوط کا زمانہ بہت قدیم ہے لہٰذا ہم جنس تعلقات کو مغرب کی بے راہ روی قرار دینا شاید زیادہ مناسب نہیں۔ انسانیت سے حیوانیت تک کے سفر میں صدیاں نہیں ایک لمحہ درکار ہوتا ہے۔ پاکستان میں واقعہ قصور میں پیش آیا تو میڈیا میں پھر تھرتھلی مچ گئی جبکہ کوئی شہر، گاؤں، گلی، محلہ ایسا نہیں جہاں بچے بچیاں اپنے قریبی رشتوں کی ہوس کا نشانہ نہ بنتے ہوں۔ شیطان انسان کے ساتھ سائے کی طرح چمٹا ہوا ہے۔ بچپن کے غیر اخلاقی حادثات انسان کی پوری زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مشرق تا مغرب لاتعداد کہانیاں موجود ہیں جو اپنے سگے باپ، بھائی، بہن کے ہاتھوں نفسیاتی مسائل کا شکار ہو چکے ہیں۔ بچے اپنی ماں سے شیئر نہیں کرتے کہ وہ یقین نہیں کرے گی بلکہ الٹا اسے ہی غلط ثابت کرے گی۔ ماؤں سے گزارش ہے کہ اپنے بچوں سے دوستی کا رشتہ رکھیں۔ انہیں اعتماد میں لیں۔ لڑکا ہے یا لڑکی ان پر کڑی نظر رکھیں۔ صرف لڑکی کی عصمت ہی حساس معاملہ نہیں لڑکے کی عزت کا معاملہ بھی انتہائی حساس ہے۔ پروردگار کی ذات کے بعد اگر کوئی رشتہ بچوں کو ہوس کا نشانہ بننے سے بچا سکتا ہے تو وہ ماں کا مقدس رشتہ ہے۔ جس ماں نے بچے کو اپنی کوکھ سے جنم دیا ہے وہی اس کی حفاظت کی ذمہ دار ہے۔ ایسی ایسی کہانیاں سننے اور پڑھنے کو ملتی ہیں کہ پیروں تلے سے زمین سرک جاتی ہے۔ اس موضوع پر تو قلم اٹھاتے بھی حیا آتی ہے لیکن ان حقائق پر قلم اٹھانا پڑے گا اور غافل ماؤں کو جھنجھوڑنا پڑے گا کہ تمہارا شوہر، بیٹا، بھائی، باپ یا کوئی محترم رشتہ خواہ کتنا نیک نمازی کیوں نہ ہو۔ بچوں کے معاملہ میں کسی پر اعتبار نہ کرو۔ بچوں کو کسی کے پاس تنہا چھوڑنے کا رسک مت لو جبکہ مائیں ملازموں کے پاس بچے چھوڑ کر چلی جاتی ہیں۔ یہاں سگے رشتوں سے اعتبار اٹھتا جا رہا ہے اور غافل مائیں مامے، چاچے، پھپھڑ، ماسڑ، ٹیچر، مولوی، ڈرائیور، مالی، ملازم، ملازمہ وغیرہ پر اعتبار کر لیتی ہیں۔

غریب کو جاہل کہہ دیا جاتا ہے لیکن پڑھے لکھے لوگوں کی اولادوں کے ساتھ ان کی چار دیواری کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے۔ اس کو کیا نام دیا جائے؟ اولاد کی دینی واخلاقی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری والدین پر عائد ہوتی ہے۔ جس سے صرف نظر کیا جا رہا ہے۔ بچے کی نفسیات چار سال کی عمر میں مکمل ہو جاتی ہے اور ان چار سالوں میں بچہ جو کچھ اپنے ماحول میں دیکھتا اور محسوس کرتا ہے۔ اس کے دل ودماغ میں نقش ہو جاتا ہے لیکن ہوس کا نشانہ کسی عمر میں بھی بنایا جا سکتا ہے۔ کم سن لڑکوں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات بھی خون کے آنسو رلاتے ہیں۔ ماں اپنے لڑکے کی بھی لڑکی کی طرح حفاظت کرے۔ صرف مردوں سے ہی نہ بچائے بلکہ کسی ماسی، آنٹی، ہمسائی یا ملازمہ پر بھی بھروسہ نہ کرے۔ ماں کی زندگی کا ہر لمحہ امتحان اور آزمائش ہے۔ ماں کے پاؤں تلے جنت قربانیوں کا ثمر ہے اور قربانی صرف بچہ پیدا کرنے کا نام نہیں، اس کی فہرست بہت طویل ہے۔ والدین کو بھی اصلاح کی ضرورت ہے۔ مائیں اپنی جان چھڑانے کے لیے بچوں کو ٹی وی کھول دیتی ہیں اور خود فون پر گپ شپ میں مصروف ہو جاتی ہیں یا پھر خود ڈرامے دیکھنے بیٹھ جاتی ہیں۔ باپ بھی موبائل فون یا لیپ ٹاپ میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ موبائل فون، لیپ ٹاپ استعمال کریں جب ضرورت ہو۔ بلاضرورت استعمال وقت کا ضیاع ہے۔ سمارٹ فون اور انٹرنیٹ کا سرطان پاکستانی غریب اور دیہی علاقوں تک پھیل چکا ہے۔ بچے تو درکنار اکثر ماں یا باپ بھی کمرے بند کیے مشغول رہتے ہیں۔ جب تک اولاد کی شادی نہ کر دی جائے اولاد کی عصمت کی حفاظت اور تربیت ماں کی ذمہ داری ہے۔ شیطان روزِ اول سے انسانوں میں موجود ہے مگر جب سے یہ جدید ٹیکنالوجی ایجاد ہوئی ہے۔ رشتوں میں تمیز مٹ گئی ہے۔ مائیں نئی نسل کے سامنے بے بس دکھائی دے رہی ہیں۔ جہاں سختی کرنا پڑے لازمی کی جائے ورنہ دنیا بھی گئی اور عاقبت بھی۔ کسی رشتے پر اندھا اعتماد نہ کیا جائے۔ معصوم چہروں کے پیچھے بھی کئی بھیانک کہانیاں پوشیدہ ہیں۔ باپ، بھائی، بہن کے رشتوں کے بیچ خوفِ خدا اور حیا کا پردہ حائل ہوتا ہے۔ نفس غالب آجائے تو پردہ چاک ہونے میں لمحہ نہیں لگتا۔ اوپر خدا اور نیچے ماں ہی اس پردہ کو چاک کرنے سے بچا سکتی ہے۔

نوجوان نسل کی تربیت درسگاہوں اور اساتذہ سے زیادہ سوشل میڈیا، والدین اور خاندانی ماحول کی ذمہ داری ہے۔ سٹوڈنٹس کی گمراہی کی تمام ذمہ داری درسگاہوں پر ڈالنے کی بجائے والدین اپنی ذمہ داری کا بوجھ اٹھانا سیکھیں۔ ماں کی گود اولاد کی پہلی درسگاہ ہے اور اس درسگاہ میں اب ملاوٹ آ گئی ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ جب میں آٹھ یا نو سال کا تھا تو میں رات کو اپنی دادی جان کے ساتھ سوتا تھا اور میری دادی جان کا رات کو سونے کا معمول یہ تھا کہ وہ سورۂ ملک جو کہ انہیں زبانی یاد تھیں وہ پڑھ کر اور مجھے پھونک کر سوتی تھیں۔ اس روزانہ کے معمول سے سورۂ ملک 5 یا 6 ماہ میں مجھے بھی زبانی یاد ہو گئی تھی۔ اور صبح مرغ کی اذان پر والدہ محترمہ مجھے زبردستی اٹھا کر مسجد بھیجا کرتی تھیں، جہاں گاؤں کے اکثر بچے نماز کے بعد مولوی صاحب سے قرآن سیکھنے اور پڑھنے کا سبق لیتے تھے۔ دورِ حاضر میں والدین کا کردار نہ ہونے کے برابر ہے یا یوں کہہ لیں کہ بچوں کو وقت پر روٹی، کپڑا اور سکول بھیجنا صرف یہی ماں باپ کی ذمہ داری رہ گئی ہے۔ اس کے علاوہ تمام ذمہ داری ماں باپ معاشرے سے پیسے کے زور پر خریدنے کی کوشش کرتے ہیں۔ والدین کی عدم توجہ اور پھر نت نئی ایجادات اور ان کا بے جا اور منفی استعمال بگاڑ کی اصلی وجہ ہے۔ ہر باپ چاہتا ہے کہ اس کا بچہ اعلیٰ درسگاہ میں تعلیم حاصل کرے لیکن رزق حرام کے اثرات کو بھول جاتا ہے۔ حرام کا لقمہ کھلا کر بچے کو علامہ اقبال دیکھنا چاہتا ہے۔ ہر ماں بچے کو فر فر انگلش بولتا دیکھنا چاہتی ہے۔ بچے کی پرورش میں ماں جو سب سے زیادہ نعمت دے سکتی ہے وہ دینی شعور، اخلاقی اقدار اور قرآنی تعلیم ہے مگر دورِ حاضر کی ماں خود احساس کمتری کا شکار ہو چکی ہے۔ اولاد پیدا کرنے کے بعد ان کے لیے حلال رزق کا بندوبست کرنا، ان کی اسلامی نہج پر تعلیم وتربیت کرنا، ان کی کوتاہی اور غلطی پر سرزنش کرنا، ان کو صحیح اور غلط کا فرق بتانا والدین کا اولین فریضہ ہے مگر آج والدین کے فرائض صرف روٹی، کپڑا، مکان اور تعلیم تک محدود ہو گئے ہیں۔

بقیہ صفحہ نمبر 37 پر

گنبد خضریٰ کی تاریخ، تعمیر و توسیع

سعید احمد بدر

فخر موجودات، سرور کائنات، حضور رسالت مآب ﷺ کے مزار پُرانوار کی چھت پر سبز رنگ کا گنبد بنا ہوا نظر آتا ہے جو ہر مسلمان کے دل کی تسکین اور روح کا اطمینان ہے، ہر شخص اس کے نظارے کا متمنی اور طلبگار ہے، مسلمان انڈونیشیا کا ہو یا مراکش کا، روسی ریاستوں کا باشندہ ہو، یا یورپ کے کسی ملک کا باسی ہو، وہ سبز گنبد کے دیدار کی تمنا رکھتا ہے۔ دور یا نزدیک، یہ سبز گنبد اس کی آنکھوں کا چاند، بلکہ چاند سے بھی بڑھ کر اور دل کا سرور ہے۔ یہ گنبد مسلمانوں کے دل کی آواز ہے سبھی لوگ اس کے دیدار پرانوار کے لیے صبح وشام اور رات دن تڑپتے رہتے ہیں، اس کی ''تصویر'' دیکھ کر ہی ان کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے لیکن بدقسمتی سے بزعم خویش مسلمان کہلانے والوں اور ''توحید پرستی'' کے دعویداروں کا ایک ایسا گروپ بھی قلیل تعداد میں موجود ہے جو روضۂ اقدس کی زیادہ اہمیت اور تقدس کا قائل نہیں، اس لیے وہ اس کی کم کرنے کے لیے نازیبا حرکات کا ارتکاب کرتا رہتا ہے جس کی بدنصیبی ہے کہ یہ طبقہ ایک طویل مدت سے، توحید کے نام پر حرمین الشریفین پر قابض ومسلط ہے اور درد دل رکھنے والوں کو بدعت بدعت اور یلی یلی کہہ کر دور دھکیلتا رہتا ہے بلکہ ان میں بعض تنگدل اور سنگدل کوشش کرتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اسے نعوذ باللہ گرا دیا جائے۔

قابض ہونے کی وجہ سے آج کل تعمیر ومرمت اور مسجد نبوی کی توسیع کا بہانہ بنا کر انہوں نے متعدد گنبد اور سینکڑوں مینار بنا دئے ہیں جن کی بلندی اور وسعت سبز گنبد کے مقابلے میں زیادہ ہے تا کہ اس کی اہمیت اور مرکزیت کمتر ہو جائے لیکن ایسا نہیں ہوتا بلکہ اہل درد وغم اور اہل فراق کی بیتابیاں اور بڑھ جاتی ہیں۔

اس مینار کی طویل تاریخ ہے کہتے ہیں 675 ہجری بمطابق 1270 عیسوی، اس دور کے شاہ مصر سلطان منصور قلادون صالحی نے پہلی مرتبہ قبر مبارک یعنی حجرہ نبی ﷺ پر لکڑی کا ایک گول سا گنبد یا قبہ بنوایا جس کا بنیادی نچلا زاویہ مربع یعنی گول اور اوپر کا حصہ آٹھ کناروں پر مشتمل تھا، جسے مسجد نبوی پر گول دائرہ کی مانند بنیاد بنا کر لکڑی کے کیلوں ہی سے نصب کیا گیا۔ اس گنبد یا قبہ کا رنگ سیسہ کی مانند سفید چمکدار تھا۔ کیونکہ اس قلعی یا سیسہ چڑھا دیا گیا تھا۔ اس لئے اس گنبد کو ''قبہ میحا، قبہ بیضا'' یعنی آسمانی رنگ والا قبہ کے نام نامی سے موسوم کیا جاتا تھا۔

اب ایک ''توحید پرستی کے دعویدار'' جس نے حال ہی میں مدینۃ النبی ﷺ کے عنوان مبارک کے تحت ساڑھے چار سو سے زائد صفحات پر مشتمل کتاب بزبان عربی لکھی ہے جس کا اردو ترجمہ بھی کیا گیا ہے یہ صاحب اپنی ''عادت'' کے پیش نظر رقمطراز ہیں کہ:

> ''675 ہجری میں جب سلطان قلادون نے اپنے مشیر کمال احمد بن برہان عبدالقوی کے مشورہ سے لکڑی کا جنگلہ بنوا کر حجرت کی چھت پر نصب کیا تو اس وقت کے حق پرست علمائے ربانی نے اس حرکت کو مذموم قرار دیا مگر یہ اس کی ایک شیطانی چال تھی کہ نبی اللہ ﷺ نے تو قبر کو پختہ بنانے سے منع کیا ہے''۔

اس صاحب کذب وافترا سے کوئی بھلا پوچھے کہ 675 یا 678 ہجری میں وہ علما تو پیدا بھی نہیں ہوئے تھے جنہیں آپ ''حق پرست یا علمائے ربانی'' کہتے ہیں کیونکہ حق پرست اور توحید پرست تو آپ کے بقول بلکہ آپ کے ایمان وعقیدہ کی روشنی میں صرف وہ ''لوگ'' ہیں جو ''نام نہاد امام'' محمد بن عبدالوہاب کے ماننے والے ہیں اور سعودی عرب میں حکمران ہیں جو درحقیقت ''ریاض'' کے بہت بڑے ڈاکو ابن سعود کی اولاد ہیں۔ دراصل شیطانی چال تو ابن عبدالوہاب نے چلی اور اسلام میں وہابیوں کا ایک نیا فرقہ ایجاد کیا اور بعد میں اسی فرقہ کے بطن سے سعودیوں کی دولت کے بل بوتے پر ہندوستان میں ''دیوبند'' کا گروپ وجود میں آیا اور یہ سب مل کر اسلامی ممالک میں انتشار پھیلا رہے ہیں۔

آمدم برسرِ مطلب

سلطان قلادون کے تعمیر کردہ قبہ مبارک کی تجدید شاہ شعبان بن حسین بن محمد نے 765ھ بمطابق 1363ء تا 1364ء میں از سر نو کرائی۔ قبہ خضریٰ یا گنبد خضریٰ سے متعلق تعمیرات حجرہ نبوی میں پہلی تعمیر اموی خلیفہ ولید کے دور میں شاہ بیرس کے دور میں ہوئی۔

886 ہجری میں مسجد نبوی کی عمارت بدقسمتی سے آگ لگنے کی بنا پر جل گئی۔ چنانچہ مصری فرماں روا، اشرف قیتبائی نے تعمیر نو کرائی اور مصر ہی سے جملہ سامانِ تعمیر وغیرہ بھیجا۔ اس نے بنیادوں سے سقف یعنی چھت مبارک کا کام 886ھ میں مکمل کیا اور اضافی حصہ 890ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ شاہ اشرف قیتبائی سے سید البشر، فخر الانبیاؑ کے حجرہ مبارک کی بھی توسیع کرائی شرقی دیوار نکال کر تقریباً تین فٹ چار انچ توسیع کرا کر نئی دیوار مبارک بنائی۔ یہ توسیع کم وبیش ایک سو بیس (120) گز مربع پر ہوئی، واضح رہے کہ حجرہ نبوی کی یہ توسیع آج تک جوں کی توں ہے۔

کتنا مبارک اور مسعود تھا یہ بادشاہ، جس کو اللہ تعالیٰ مسجد نبوی اور حجرہ مبارک کی توسیع کی توفیق ارزانی کی، لیکن کچھ بدقسمت لوگ اور حکمران اسے نقصان پہنچانے پر تلے ہوتے ہیں۔

سلطان عبدالمجید عثمانی کے دور میں، پونے چار سو برس بعد پوری مسجد کو از سرِ نو تعمیر کیا جس کے لیے مختلف اقسام کے ماہران تعمیر وتوسیع، کاریگر، اور مزدور

استعمال ہوتے اور انتہائی مضبوط و مستحکم، شاندار اور دل آویز مسجد تعمیر کر دی۔ 1265ھ میں شروع ہو کر تیرہ سال بعد 1277ھ میں یہ مسجد اقدس پایۂ تکمیل کو پہنچی مسجد کے مصارف اخراجات میں ایک سو چالیس 140 تھیلے سونا صرف ہوا۔ اس سلطان نے مسجد منورہ کی تعمیر میں سخاوت اور فراخدلی کی حد کر دی۔

مدینہ منورہ کے پہاڑوں میں واقع جو پہاڑ اہل مدینہ کی میقات ذوالحلیفہ (جس کا موجودہ نام بیئر علی ہے) کے مغربی پہاڑوں میں سے ایک سرخ پہاڑ کو منتخب کیا گیا جس سے پتھر کاٹ کاٹ کر مسجد نبوی کی تعمیر میں استعمال کیے گئے۔

تاریخ دان لکھتے ہیں کہ مسجد نبوی کی تعمیر کے دوران میں عثمانی ترک رہنماؤں اور حکمرانوں کا ادب واحترام رسول مقبول ﷺ کے سلسلہ میں یہ حال تھا کہ انہوں نے سنگ تراشی اور دیگر تمام کام روضۂ اطہر ومبارک سے بہت دور، حتیٰ کہ شہر مدینہ سے بھی میلوں دور کرائے تاکہ سنگ تراشیوں کے ہتھوڑوں کی آواز سے حضور پرنور نبی مکرم و معظم ﷺ متاثر نہ ہوں۔

موجودہ سرخ یا لال مسجد سلطان عبدالمجید ہی کے دور مسعود میں تعمیر کی گئی اور آج تک دنیا بھر میں اپنی مثال آپ ہے پورے عالم میں اس کی کہیں نظیر نہیں ملتی، اس کی تعمیر 120 سال کا عرصہ ہو چکا ہے، مگر یہ اپنی مضبوطی، خوب صورتی اور دلکشی میں لاثانی ہے، یوں لگتا ہے گویا یہ آج ہی تعمیر ہوئی ہے۔

سلطان عبدالمجید حال کے دور میں مسجد نبوی کی کل مساحت دس ہزار تین سو تین (10303) مربع میٹر تھی اس کا شمالی حصہ جو 6247 میٹر پر مشتمل تھا، کمزور پڑ گیا تو سعودی حکومت نے دوبارہ تعمیر کیا۔ نیز مسجد کی دیواروں، دروازوں، محراب مبارک اور دیگر مختلف مقامات پر قرآن پاک کی آیات اور حضور پرنور ﷺ کے صفائی اسمائے مبارک لکھوائے گئے جو اب بھی موجود ہیں۔ یاد رہے کہ روضۂ مبارک پر عربی رسم الخط میں عثمانی ترکوں نے آپ ﷺ کی ذات اقدس کے بارے میں جو عبارتیں تحریر کی تھیں، سعودی حکمرانوں کے ''بدعت'' کے نام پر ان میں ''تحریف'' کر دی ہے۔

واضح رہے کہ سلطان اشرف قیتبائی کی تعمیر کے بعد سلطان عبدالمجید خاں نے 1293 مربع میٹر رقبہ کی توسیع کی تھی۔

4056 مربع میٹر پر مشتمل مسجد کی تعمیر وہی ہے جسے سلطان عبدالمجید نے بنوایا تھا جس میں حجرۂ نبوی ﷺ گنبد خضریٰ، مصلے رسول عظیم و کریم، منبر شریف، ریاض الجنہ، استوانے (ستون) مینارۂ باب السلام، مینارۂ مرکزیہ (جو مشرقی کونہ پر واقع ہے) نیز مصلیٰ بیت المقدس اور اصحاب صفہ شامل ہیں، اس عمارت جو ترکی طرز تعمیر کے مطابق ہے، کا رنگ آغاز ہی سے سرخ ہے اور آج تک سرخ ہے جو مسلمانوں کے دلوں میں حرارت، شادمانی اور تازگی پیدا کرتا ہے۔

شاہ عبدالرحمٰن کے دور کی تعمیر، بلند و بالا سفید ستونوں پر مشتمل مضبوط، وسیع اور خوب صورت اور خوش کن ہے جو سفید مسجد کے نام سے معروف ہے۔ اس کی توسیعی دیوار سرخ مسجد سے لے کر مغرب کی طرف 128 میٹر، مشرق کی طرف 128 میٹر اور شمال کی طرف 91 میٹر ہے جبکہ اس کے ستونوں کی کل تعداد 232 ہے۔ اس سفید مسجد میں 44 بڑی کھڑکیاں اور 5 بڑے دروازے ہیں جبکہ سرخ مسجد کے دونوں میناروں کے متوازی شمالی جانب دو مینار بنوائے گئے ہیں جو کہ مسجد کی خوبصورتی، حسن و جمال اور عظمت و شوکت کو چار چاند لگائے ہوئے ہے۔ ستونوں اور چھت پر 1011، فانوس اور 1400 گول مرکزی ٹیوب لائٹس خوب صورت نظارہ پیش کرتی ہیں جو مسجد کی دیواروں کے ساتھ نصب ہیں۔

رات کے وقت جب روشنی کی جاتی ہے تو مسجد کا یہ حصہ بقعہ نور بن جاتا ہے۔ سعودی حکومت نے بھی 70 ملین ریال خرچ کیے ہیں۔ یہ رقم پاکستانی روپوں میں 35 کروڑ بنتی ہے۔ آج کل مزید تعمیر و توسیع کا سلسلہ جاری ہے۔ شاہ فیصل کے دور میں مسجد نبوی کے مشرقی جانب shade تعمیر کیے گئے۔

مسجد مبارک میں دور عثمانی کی سرخ مسجد میں 6 دروازے موجود ہیں جبکہ سعودیوں کی تعمیر شدہ عمارت میں 5 مزید دروازے تعمیر کیے گئے۔

عثمانیوں کے دروازوں کے اسمائے مبارک، باب السلام، باب الرحمت، باب البقیع، باب جبرائیل، باب النسا اور باب الصدیق ہیں جبکہ سعودیوں کے عہد کے دروازوں میں باب عبدالعزیز، باب مجیدی، باب عمر اور باب سعود شامل ہیں۔

بقیہ: ''بچوں کی کردار سازی میں والدین کی ذمہ داریاں''

اولاد کی تعلیم و تربیت، انہیں تہذیب سکھانا اور سمجھانا اس طرف کسی کا رجحان نہیں۔ والدین اولاد کو دنیاوی تعلیم دینے میں اس قدر مصروف رہتے ہیں کہ تربیت پر دھیان ہی نہیں دیتے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آج کل والدین کی اپنی بھی کوئی تربیت نہیں ہوتی ورنہ نوجوان نسل والدین کو آئیڈیل بناتی، مغرب کی ماں کا کلچر ادھار نہ لیتی۔ بچے کی تربیت ماں کے پیٹ سے ہی شروع ہو جاتی ہے جیسے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا گھر کے کام کاج بھی کرتیں اور ساتھ ساتھ قرآن مجید کی تلاوت بھی کرتی رہتیں۔

مگر آج کل کی عورتیں موبائل، ٹی وی، ڈرامہ، گانے بجانے میں بہت مصروف ہیں۔ ساس بہو کے ڈرامے دیکھ کر ہر وقت ڈرامے کرنے میں مصروف خواتین بچوں سے بالکل بے خبر ہیں۔ بلکہ اپنی بیٹیوں کو ساس اور نندوں کے خلاف اکساتی رہتی ہیں اور ان کی زندگی کو سکھی بنانے کی بجائے اجیرن بنا دیتی ہیں۔ آج کے والدین نے بچوں کو سننا اور سمجھنا چھوڑ دیا ہے۔ دو سال کا بچہ سکول داخل کروانے کے لیے عورتیں بے تاب ہیں، صرف اس لیے کہ جتنا وقت بچے باہر رہیں وہ سکون سے اپنے کام کر لیں یا سوشل میڈیا انجوائے کر سکیں۔

یہ سب رات کو دیر تک جاگنے، ڈراموں اور سوشل میڈیا میں منہمک رہنے، نت نئے فیشن، کپڑوں کی ورائٹی اور ڈیزائنز اور میک اپ کے بارے میں دلچسپی رکھنے اور صبح بہت دیر سے اٹھنے کی نحوستیں ہیں جو ہمارے معاشرہ کو تباہ و برباد کر رہی ہیں اور ان کا اثر بچوں پر بھی پڑتا ہے۔

اسلام اور قرآنی تعلیمات سے روگردانی، ترکِ نماز، شیطانی کاموں میں لگے رہنا اور غیری فطری مشاغل میں مصروف کار رہنے سے ایک تو ذہنی، دلی اور روحانی سکون غارت ہو جاتا ہے اور بے برکتی اور بدشگونیاں ان کے گھروں میں ڈیرے ڈال لیتی ہیں۔ یہ ہمارے والدین اور خاص کر ماؤں کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہے۔ توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔

مشکل ہے ذوق قید تعلق سے چھوٹنا
جب تک کہ روح کو ہے علاقہ بدن کے ساتھ

سید ریاض حسین شاہ

حضرت ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: سلسلہ ”عالیہ نقشبندیہ میں حسن عقیدہ اور حسن بصارت کی بدولت معرفت کی وادیاں سالوں میں نہیں لحظوں میں طے کی جاتی ہیں“۔ حضرت سید بہاؤالدین نقشبند قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ”ہمارا طریقہ، طریقہ صحابہ ہے۔ جہاں اور سلاسل کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے ہماری ابتداء ہوتی ہے“۔ حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ”کامل وہ نہیں ہوتا جس سے کرامات صادر ہوں، بلکہ کامل وہ ہوتا ہے جو لوگوں میں رہے، بیٹھے، اٹھے، خرید و فروخت کرے، میل جول رکھے، لیکن لحظہ بھر بھی اللہ عزوجل سے غافل نہ رہے“۔ یہ وہ حالت ہے جو سلوک نقشبندیہ اختیار کرنے والوں کو اللہ عزوجل عطا فرماتا ہے۔

اکابرین تصوف کی طرح سلسلہ عالیہ مجددیہ میں بھی مشائخ کی روحانیت سے اکتساب فیض کیا جاتا ہے۔ ان کے اسمائے گرامی سے حصول تبرک جان تصوف ہے۔ شیخ سلامہ حزامی ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ”اولیائے کرام کے اسماء جس محفل میں یاد کیے جائیں اللہ عزوجل کی تجلیات محبت نازل ہوتی ہیں“۔ اہل اللہ ہمیشہ اپنی روحانی سند کا تذکار رحمت معمول بنائے رکھتے ہیں، خصوصاً مشائخ طالبین سے بیعت لیتے ہوئے شجرۂ طریقت تلاوت کر کے باقاعدہ قبول کرواتے ہیں۔ یقیناً اس عمل سے دلوں سے غفلت کے پردے سرکتے ہیں، روحانیتیں مستحکم ہوتی ہیں، افکار نہایت سرعت سے لاہوت کی طرف محو پرواز ہوتے ہیں، لاتعین کی منزل لحظوں میں روشن معلوم ہوتی ہے۔

حضرت لالہ جی قدس سرہ العزیز کثرت کے ساتھ شجرۂ طریقت پڑھا کرتے تھے، بلکہ آپ فرمایا کرتے ”دل اگر غفلتوں کی تاریکی میں ڈوب جائیں اور ناسوت حال کے پرکاٹ دے تو علاج فقط فضل الٰہی سے ہے۔ اور وسیلہ اپنے بزرگوں کے شجرہ سے مدد حاصل کرنا ہے“۔ ایک موقع پر آپ نے اپنے ایک ساتھی سے شجرۂ شریف سنا۔ حضرت علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ نام ہمارے سلسلہ میں نہیں، ساتھی نے اصرار کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فقط اتنا کہا ”میں وہی تلقین کروں گا جو میرے پیر و مرشد نے مجھے تلقین کیا ہے“۔ آپ نے کبھی کسی شخص کو شجرۂ شریف اور نسبت کے قبول کیے بغیر ذکر کی اجازت نہیں فرمائی۔ شجرہ پڑھتے ہوئے اسماء کے ساتھ کبھی تو حضرت خواجہ ارشاد فرماتے اور کبھی بابا جی کہہ کر کوئی اسم گرامی زبان سے ادا فرماتے۔ شجرہ کے آخر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا نام بھی لیتے اور فرماتے حضرت خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہی تھا۔

آپ کا شجرۂ طریقت یہ ہے:

۱۔ خواجہء خواجگان ارض وسما، فخر موجودات، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ وصال شریف ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ

۲۔ حضرت امیر المومنین خواجہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وصال مبارک ۲۳ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ مدینہ منورہ

۳۔ حضرت خواجہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وصال مبارک ۱۷ جمادی الاخریٰ ۳۵ھ مدائن

۴۔ حضرت ابوالقاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وصال ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۰۷ھ مدینہ منورہ

۵۔ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ وصال ۲۴ رجب المرجب ۱۴۸ھ جنت البقیع

۶۔ حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ وصال ۱۵ شعبان المعظم ۲۶۱ھ بسطام

۷۔ حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ وصال ۱۰ محرم الحرام ۴۲۵ھ خرقان

۸۔ حضرت خواجہ بوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ وصال ۴ ربیع الاول ۴۷۷ھ فارمد

۹۔ حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ وصال ۲۷ رجب المرجب ۵۳۵ھ مرو

۱۰۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غنجدوانی رحمۃ اللہ علیہ وصال ۱۲ ربیع الاول ۵۷۵ھ غنجدوان

۱۱۔ حضرت خواجہ عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ وصال یکم شوال ۶۱۶ھ ریوگر

۱۲۔ حضرت خواجہ محمود فغنوی رحمۃ اللہ علیہ وصال ۱۷ ربیع الاول ۷۱۵ھ وابکنی

۱۳۔ حضرت خواجہ بوعلی رائمتنی رحمۃ اللہ علیہ وصال ۲۸ ذوالقعدہ ۷۱۵ھ خوارزم

۱۴۔ حضرت خواجہ محمد بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ وصال ۱۰ جمادی الاخریٰ ۷۵۵ھ سماس

۱۵۔ حضرت خواجہ شمس الدین سید امیر کلال سوخاری رحمۃ اللہ علیہ وصال ۶ جمادی الاولیٰ ۷۷۲ھ سوخار

۱۶۔ حضرت خواجہ سید بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ وصال ۲ رجب المرجب ۷۹۱ھ قصر عارفاں

۱۷۔ حضرت خواجہ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ وصال ۵ صفر المظفر ۸۵۱ھ یلغنون چرخ

۱۸۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار شاش رحمۃ اللہ علیہ وصال ۲۰ ربیع الاول ۸۹۵ھ سمرقند

۱۹۔ حضرت خواجہ شیخ محمد زاہد بخاری رحمۃ اللہ علیہ وصال یکم ربیع الاول ۹۳۶ھ دخش

۲۰۔ حضرت مولانا محمد درویش امکنگی رحمۃ اللہ علیہ وصال ۱۹ محرم الحرام ۹۷۰ھ موضع اسفرہ سمرقند

۲۱۔ حضرت خواجہ آدم عرف امکنگی بن محمد درویش رحمۃ اللہ علیہ وصال ۲۱ شعبان المعظم ۱۰۰۸ھ امکنگ شریف

۲۲۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ وصال ۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۰۱۲ھ دہلی

۲۳۔ حضرت خواجہ احمد مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ وصال ۲۸ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ سرہند شریف

بقیہ صفحہ نمبر 40 پر

مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں

حافظ شیخ محمد قاسم

ماحول انسان کو اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے۔ ''ڈرائیونگ'' کا چرخہ چلانے والا شخص ڈرائیونگ ہی کی بات کرسکتا ہے اور یہ بھی کہ گاڑی چلانا ضرورت ہے اور شوق بھی، اس کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں، وہ لوگ جنہیں اس جان توڑ دنیا میں رہنے کا عشق لگ جائے وہ ضرورۃً محفل باز بن جاتے ہیں۔ ان کی سوچیں، ذائقے اور تمیزات سب کا رنگ جدا جدا ہوتا ہے۔ ڈرائیور تقریباً سب کے سب بسیار گو ہوتے ہیں۔ جو کان میں پڑا وہ ان کا آویزہ بن گیا۔ کم از کم اپنے کلینرز سے ان کی بم چخ ہوتی رہتی ہے۔ ویسے تو ہم گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے ''بسم اللہ'' پڑھ کر بیٹھتے ہیں بلکہ گاہے گاہے درود وسلام عرض کر لینے کی توفیق بھی ہو جاتی ہے، لیکن شاہ جی کا ''شوفر'' ہونا امتحان سے کم نہیں۔

گاڑی چلانا اور پھر خاموشی سے گاڑی ہانکنا صرف اور صرف سامنے دیکھنا، شہر میں آہستہ اور کھلی شاہراہ پر تیز دوڑنا، فون سننا اور شاہ جی کا سیکرٹری ہونے کا پورا دفتر سنبھالنا اور پھر شاہ جی سو جائیں تو احتیاط، اٹھ بیٹھیں تو احتیاط، بولیں تو پھر احتیاط، کچھ نہ بولیں تو پھر احتیاط اور پھر احتیاط میں بھی احتیاط، سچی بات یہ ہے کہ شاہ جی صرف بادشاہ ہوتے تو بھی اور اگر صرف فقیر ہوتے پھر بھی بڑی مشکل سی ہوتی، لیکن اللہ نے ان کے وجود میں دلنوازی کا ایسا شہد رکھا ہے، نہ ان کا غصہ افسردگی پیدا کرے اور نہ محبت آشفتہ سر بنائے۔ شاہ جی کے پاس لمبی رسیاں ہیں جن میں جسے چاہیں جکڑ لیں، ہم محبت کے قیدی ہیں اور شاہ جی شاہد زندہ دلاں۔ اس لیے نوازشوں میں امتحان اور امتحانوں میں عنایات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

میں گھر میں بیٹھا اپنے بیٹے ''حسن ریاض'' سے اٹھکیلیاں کر رہا تھا کہ شاہ جی کا فون آ گیا۔

قاسم ہے؟

''جی شاہ جی میں بول رہا ہوں''۔

''قاسم فوراً پہنچو''۔

''شاہ جی میں تو لاہور ہوں اس وقت'' میں نے عرض کی۔

شاہ جی: میں نے کہا ہے بس چلے آؤ۔

چار گھنٹے میں راولپنڈی پہنچا اور حکم ہوا صبح ملتان جانا ہے، وقت بتایا گیا ساڑھے گیارہ بجے انشاء اللہ۔ صبح گاڑی سٹارٹ کرنے کے لیے گیراج میں پہنچا تو شاہ جی گاڑی میں بیٹھے انتظار فرما رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر فرمایا گھڑی دیکھو! گیارہ پینتیس ہو چکے ہیں، تمہیں بیس مرتبہ سمجھا چکا ہوں وقت، وقت، وقت، پابندی، پابندی، پابندی اور پھر پابندی سیکھو۔ قاسم! تم کب سلجھو گے؟ اللہ نے نماز بھی وقت کی فرض کی ہے، روزوں کا بھی ایک وقت ہے، حج کا تصور بھی میقات کے بغیر کچھ نہیں، اگر دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی چاہتے ہو تو وقت کی قدر کرنا سیکھ لو۔

یہ عجیب واقعہ بھی سنتے جایئے کہ کلر کہار ہم کھانا لینے کے لیے ہوٹل گئے واپسی ہوئی تو دیکھا شاہ جی ایک عورت کی گاڑی کو دھکا لگا رہے ہیں۔ دل کڑھنے لگا اور کئی بار سوچ بھی چکا ہوں شاہ جی عجیب پیر صاحب ہیں، بلکہ برطانیہ جماعت اہل سنت کے قائد نے ایک سفر کی کہانی سنائی کہ ایک بار راستے میں ایک انگریز خاتون سے گاڑی کا بونٹ نہیں کھل رہا تھا، شاہ جی نے ہم سب کو اس کی مدد کے لیے گاڑی سے اترنے کا عندیہ دیا، ایک گھنٹے کی محنت کے بعد جب گاڑی چلنے کے قابل ہوگئی تو اس انگریز خاتون نے معاوضہ دینا چاہا، شاہ جی نے صرف اتنا کہا کہ ہمارے رسول ﷺ کی حدیث ہے:

''ہر انسان تین سو ساٹھ جوڑوں کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے جس شخص نے اللہ اکبر کہا، الحمدللہ کہا۔ لا الہ الا اللہ کہا، سبحان اللہ کہا، استغفر اللہ کہا، لوگوں کے راستے سے پتھر ہٹایا یا کوئی کانٹا کوئی، ہڈی راہ سے ہٹا دی نیکی کا حکم دیا یا برائی سے منع کیا، یہ تین سو ساٹھ جوڑوں کا شکر ہے اور قیامت کے دن ایسا شخص جہنم سے آزاد ہوگا۔''

شاہ جی نے حدیث سنائی اور کہا مجھے کوئی معاوضہ نہیں چاہیے، آخرت میں صلہ درکار ہے۔ وہ عورت اتنا متاثر ہوئی کہ شاہ جی سے عرض کرنے لگی میں کتابیہ ہوں اور میرا شوہر مسلمان ہے۔ آج کے بعد میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں مسلمان ہوں۔ بعد ازاں اس عورت کے خاوند نے فون کر کے شاہ جی کا شکریہ ادا کیا اور کہا اب میری بیگم آپ کے اخلاق سے متاثر ہو کر مسلمان بن چکی ہے۔

اسی سفر کی ایک اور مزیدار بات یقیناً دلوں میں سکون کا باعث ہوگی کہ گاڑی موٹروے پر ایک سو بیس کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ رہی تھی اچانک شاہ جی نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا:

''قاسم بتاؤ یہاں سے کتنے راستے ملتان جاتے ہیں''؟ پھر خود ہی فرمایا ''چھ''۔

میں سمجھ گیا نصیب دشمناں آج کچھ گڑ بڑ ہے۔

''اللہ اکبر''

گاڑی چکیاں کے راستے ڈالی تو ایک ٹرالی کے الٹ جانے کی وجہ سے راستہ بند ملا۔ بھلوال سے سرگودھا پہنچے تو فوجیوں نے راستہ بند کیا ہوا تھا۔ سلانوالی کی طرف سے سیال شریف اور پھر جھنگ پہنچے تو شورکوٹ کا راستہ مسدود پایا۔ سڑکیں سیاست کے مداریوں نے اکھیڑ رکھی تھیں۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ اور کمالیہ کی جانب بڑھے تو بڑے بڑے گڑھے عذاب بن گئے تقریباً 12 گھنٹے کے جان توڑ سفر کے بعد ملتان پہنچے تو ''علامہ فیض بخش رضوی'' نے استقبال فرمایا اور سعودی عرب میں مدنی نسبت کے حامل محترم خادم حسین کے گھر محفل میلاد میں شاہ جی نے ایک گھنٹہ خطاب کیا۔ مسلسل گاڑی چلانے کی وجہ سے میری طبیعت اتھل پتھل ہوگئی۔ شاہ جی کو تو میں کچھ نہیں

کہہ سکتا تھا جب محفل میں صرف بارہ آدمی دیکھے تو غصہ نے مجھے بے قابو کر دیا۔ شاہ جی میرے بارے میں مجھ سے بھی زیادہ آگاہ رہتے ہیں، آپ سمجھ گئے اور فرمایا غصہ نہ کھاؤ۔ واپسی پر تمہیں ایک قصہ سناؤں گا اور تم مطمئن ہو جاؤ گے۔ میں مطمئن ہونے کی بجائے مضطرب ہو گیا، پہلے غصے کی جلن، اب قصہ سننے کی تڑپ۔ اللہ اللہ کر کے گاڑی ایک مرتبہ پھر ملتان سے پنڈی کی طرف رواں دواں ہو گئی۔

شاہ جی نے ہمارے سفر کے ایک ساتھی ارسلان مشتاق سے پوچھا "ہم جب گاڑی کو دھکا لگا رہے تھے تم لنگڑا کر کیوں چلنے لگے تھے۔ ارسلان نے کہا پاؤں سو گیا تھا اب شاہ جی نے سعدی کی ایک دلچسپ حکایت سنائی۔

کسی پربت بستی میں لومڑی کو دیکھا گیا کہ وہ لنگڑا کر چل رہی تھی۔ اس سے پوچھا گیا بی لومڑی لنگڑا کر کیوں چل رہی ہو؟ وہ کہنے لگی شہر میں بادشاہ نے اونٹ بے گار میں پکڑنے شروع کر رکھے ہیں میں نے سمجھا کہیں مجھے بھی نہ پکڑ لیا جائے۔

کہا گیا تم تو لومڑی ہو پھر تمہیں کاہے کا غم۔ لومڑی نے کہا بادشاہوں کا کیا پتہ کہیں اونٹ کا بچہ سمجھ کر نہ پکڑ لیں۔

بھائی ارسلان شاید تم نے سمجھا کہیں شاہ جی مجھے گاڑی کو دھکا دینے کا حکم نہ صادر فرما دیں اور لنگڑا کر چلنا شروع کر دیا۔ حکایت کا عملی انطباق سن کر گاڑی مسرتوں، خوشیوں اور مسکراہٹوں سے بھر گئی۔ شاہ جی نے کہا توبہ توبہ اور پھر سیٹ پیچھے کر کے لیٹ گئے۔

شاہ جی کافی دیر آنکھ بند کیے لیٹے رہے، کچھ دیر بعد صبح کی نماز پڑھی اور پھر سفر شروع ہوا۔ صبح کے بعد ہمارا سفر کافی دشوار ہوتا ہے، لیکن اچانک شاہ جی نے گاڑی روکنے کا حکم دیا اور ہم من وسلویٰ والوں کے لیے ناشتہ کی نوید جانفزا سنائی، ناشتہ کیا تو طبیعت تازہ ہوئی شاہ جی بھی چائے نوش فرمانے کے بعد طبیعت میں تازگی محسوس فرمانے لگے۔

میں نے عرض کی اس سفر اور طویل مشقت کی حکمت سمجھ میں نہیں آئی شاہ جی گویا ہوئے اور فرمایا:

"عزیزم قاسم! خادم حسین میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا اصل میں اس کے لیے مجھ سے وقت غلام مرسلین نے لیا اور غلام مرسلین وہ نوجوان ہے جس نے مجھے دیار مقدس میں تبوک سے خیبر تک، مکہ شریف سے مدینۃ النور تک اور پھر حدیبیہ سے بنو سعد کی پہاڑیوں تک سرزمین رحمت کی سیر کرائی ہے۔ خصوصاً ایک زمانے میں جب میرے دل میں شوق پیدا ہو گیا کہ میں ہجرت کی راہوں میں پیدل مدینہ شریف حاضری دوں تو غلام مرسلین نے ثور سے قدید اور پھر قدید سے سنگلاخ پہاڑوں، چٹانوں اور صحرائی گزرگاہوں سے مجھے مدینہ شریف پہنچانے کا احسان کیا۔ اب تم مجھے خود بتاؤ مجھے اس سے وفا کرنی چاہیے یا نہیں۔ عظمت، عزت اور برکت سب کچھ وفا میں ہے"۔

راہ ہجرت میں سفر کی کہانی پھر کسی دوسرے موقع پر نذر قلم کی جائے گی۔

بقیہ "سنابل نور"

۲۴۔ حضرت خواجہ سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ وصال ۳ شوال ۱۰۵۳ھ جنت البقیع

۲۵۔ حضرت خواجہ سعدی لاہوری بخاری رحمۃ اللہ علیہ وصال ۳ ربیع الآخر ۱۱۰۸ھ مزنگ محلہ سعدی پارک

۲۶۔ حضرت خواجہ یحییٰ اٹکی رحمۃ اللہ علیہ وصال ۱۱۳۲ھ اٹک

۲۷۔ حضرت خواجہ عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ وصال اٹک پل کے قریب براستہ حضرو نزد ہارونہ

۲۸۔ حضرت خواجہ حافظ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ وصال۔۔۔۔ قصابہ شریف

۲۹۔ حضرت خواجہ بابا محمد بن حافظ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ وصال۔۔۔۔ قصابہ شریف

۳۰۔ حضرت فقیر محمد ہشتنغری پشاوری رحمۃ اللہ علیہ وصال ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ سید پور شریف

۳۱۔ حضرت خواجہ شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ وصال جمادی الاولیٰ ۱۳۶۳ھ گھوڑی آزاد کشمیر

۳۲۔ حضرت خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ ۷ دسمبر ۱۹۵۱ء پینٹھ نزد سید پور مظفر آباد آزاد کشمیر

۳۳۔ حضرت خواجہ محمد جمشید رحمۃ اللہ علیہ وصال ۹۔ اکتوبر ۱۹۹۳ء بروز ہفتہ اوگی شریف صوبہ سرحد

۳۴۔ الحرر الاحقر سید ریاض حسین شاہ (ابھی تک گناہوں بھری زندگی کی مشقت جھیل رہا ہے)

حضرت لالہ جی قدس سرہ العزیز سے ایک ساتھی نے ایک مرتبہ عرض کی حضور آپ کے ایک سید خلیفہ مجاز بیعت لیتے ہوئے پورا شجرہ شریف نہیں پڑھتے۔ آپ نے فرمایا وہ سلسلہ کیسے قبول کرواتے ہیں؟ عرض کی صرف یہ پوچھتے ہیں "کیا آپ نے لالہ جی والا سلسلہ قبول کیا۔۔۔۔؟" حضرت نے فرمایا کوئی بات نہیں تاثیر ایسی ہی ہوتی ہے، بات صرف گفت اور اجازت کی ہے اور وہ میری طرف سے ہے۔۔۔۔۔

ایک دوسرے موقع پر وہ سید عاصی لالہ جی حضور کی خدمت میں دست بستہ حاضر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا تمہارا شجرہ طریقت کے بارے میں کیا خیال ہے؟ بزرگوں کے اسماء اور ان کی حقیقتوں کے تصور سے جو فیض نازل ہوتا ہے اس کا کچھ اندازہ ہے وہ گویا ہوا۔

قبلہ! شجرۂ طریقت کے پڑھنے سے جمعیت خاطر میسر آتی ہے۔ مشائخ کی حقیقتوں کے تصور سے روحانیت اور قرب کی منزلیں لحظوں میں طے ہوتی ہیں، بس آپ کی ذات پر اعتماد اس قدر ہے کہ کبھی پورا پڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تاثیر ویسے ہی ہو جاتی ہے لیکن آئندہ انشاء اللہ احتیاط کروں گا۔

بقول ذوق ہمارا تو یہ عقیدہ ہے۔

مشکل ہے ذوق قید تعلق سے چھوٹنا
جب تک کہ روح کو ہے علاقہ بدن کے ساتھ

لالہ جی قدس سرہ العزیز نے فرمایا تمہیں تمہارا عقیدہ ضرور فائدہ دے گا لیکن شجرہ شریف پڑھ لیا کریں۔

زندگی امتحان ہے اور موت امتحان کے ختم ہونے کا اعلان ہے۔ ایک اچھا انسان سمجھتا ہے کہ خلوت اور جلوت دونوں کو اللہ کے لیے ہونا چاہیے۔ وہ لوگ جو خوشی اور غم، مشکلات اور آسانیاں سب کچھ اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں وہ صحیح معنوں میں اصحاب ایمان ہوتے ہیں اور وہ ارباب محبت ہونے کا اعزاز بھی رکھتے ہیں۔

گفتنی وناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب
محمد طارق گِل